دروغ

صابا خان

NOVEL HUT

ایک کہانی جس کے مسافر پانچ لوگ

All rights are reserved by the author , you can’t publish or steal any of the scenes written in this novel.

If you do so , serious action will be taken for you . enjoy reading.

JAZAKALLAH

NOVEL HUT

انتساب

“ میری پہلی کتاب، میرے خدا کے نام

جسنے مجھے لکھنے کی توفیق دی “

NOVEL HUT

قسط ۱

کہتے ہیں صرف ایک لمحہ لگتا ہے انسان کا سب کچھ بدل جانے

میں۔۔۔

صرف ایک لمحے میں کل کائنات بدل جاتی ہے

صرف ایک لمحے میں انسان کی شخصیت بدل جاتی ہے

صرف ایک لمحے میں رشتے بدل جاتے ہیں

NOVEL HUT

صرف ایک لمحے میں دوست بچھڑ جاتے ہیں

صرف ایک لمحے میں دل بدل جاتا ہے

صرف ایک لمحے میں ذہن پلٹ جاتا ہے

اور صرف ایک ہی لمحہ لگتا ہے

ہمارے پاک پروردگار کو سب کچھ بہترین طریقے

سے لوٹانے میں

صرف ایک لمحہ، صرف ایک کن

بیشک وہ ہر چیز پے قادر ہے

اور ہر ایک شے اُسکی محتاج

NOVEL HUT

"""""""""""""""""""""""""""""""""

نومبر ۱۳

رات نو بجے

سرد کالی رات تھی اور چاند اپنی پوری آب و تاب سے روشن تھا چاند کی پر کشش روشنی اُس بیک یارڈ میں پھیلی ہوئی تھی کنارے لگی کیاریاں اور اُن میں لگے طرح طرح کے پھول۔

اور اُسی بیک یارڈ میں لگا وہ لکڑی کا جھولا دور سے دیکھنے پر ایک ہیولہ سا بیٹھا نظر آئے گا تمہیں اُس جھولے پر پیر اوپر کو سمیٹے سینے سے لگائے اُنکے گرد بازو لپیٹے ہوئے سر سے کمبل اوڑھ رکھا تھا اور سر گھٹنوں پے رکھا ہوا تھا ایسے کے دیکھنے سے شناخت پتہ نا چلے کی وہ کون ہے

آج اُسنے ایک حریف کو مات دی تھی

NOVEL HUT

آج اُسنے وہ جنگ جیتی تھی جسکی بساط اُسنے نہیں بچھائی تھی لیکن پھر بھی اس جال نے اُسکے

وجود کو خود میں لپیٹ لیا تھا

سازش، حسد، انتقام یہ سب اُسکے وجود کا حصہ نہیں تھا لیکن اسکو ایسا بننا پڑا۔

لیکن یہ ہے کون۔؟

نومبر کی اس رات تک کے سفر کی شروعات ہم ابتدا سے کرتے ہیں۔

اُس لمحے سے جو لمحہ ہمیں دوبارا یہیں تک لے آئے گا۔

""""""""""""""""""""""

NOVEL HUT

دو سال قبل

نیلا صاف آسمان جسمیں روی کے گالوں جیسے بادل تیر رہے ہیں، دور دور تک دیکھنے پر یہ آسمان

اپنے ہی جیسے ایک رنگ میں ملتا ہوا نظر آئے گا گہرا نیلا سمندر جسکی لہریں اٹھتی اور پھر گہرائیوں

میں کھو جاتی چاروں طرف گردن گھماؤ تو صرف نیلا پانی اور نیلا آسمان ہی دکھائی دیتا

لیکن اُسی سمندر میں ہماری کہانی کا ایک مرکزی کردار آپکو ملے گا

ایک سُرخ کارگو شپ اس وقت اپنی روانی پے تھا جو سمندر کے اُس شفاک پانی کو چیرتا ہوا

آگے بڑھ رہا تھا لہروں کو برا لگا گستاخ

شپ کی ریلنگ پے ہاتھ ٹکائے آگے کو جُھکا وہ کھڑا تھا سفید پینٹ پے سفید شرٹ پہنے جسکی

آستینے کہنیوں تک فولڈ تھی

کلائی میں برانڈیڈ گھڑی اپنی قیمت کا پتہ دے رہی تھی

NOVEL HUT

گوری سے گندمی کے درمیان کی رنگت، گہرے بھورے بال جو ماتھے پے بکھرے ہوئے تھے

اور ہوا کے باعث اڑ رہے تھے اِس بار آنکھوں کو برا لگا گستاخ

اہ اُسکی آنکھیں گہری نیلی آنکھیں بلکل سمندر جیسی

کیپٹن سید حمزہ صدیقی کو لگتا تھا اُسکی آنکھیں بہت پر کشش اور گہری ہے اُسے بلکل سہی لگتا

تھا شاید اسلئے اُسے اپنی انکھوں پر ہلکا سا، ہاں بس ہلکا سا فخر اور غرور بھی تھا

وہاں کھڑے وہ کسی سوچ میں گُم تھا کے اتنے میں اسکا فون بجا جیب سے موبائل نکال کے

کانوں سے لگایا دوسری طرف سے ایک مرد کی پر جوش آواز اُبھری

NOVEL HUT

"کیپٹن صاحب اس ناچیز کا سلام قبول کریں"

"وعلیکم اسلام عاصم"

حمزہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا

”ارے اتنی سادگی سے جواب دے دیا۔ پوچھا تک نہیں میری

اس خوبصورت چہکتی ہوئی آواز کا راز“

عاصم پھر اپنے ازلی انداز میں بولا

”بھائ ! تیری آواز کب ایسی نہیں ہوتی، ہر وقت تو چہکتے رہتے

ہو تم “

”بس تم لوگ میرے اس ہستے ہوئے مکھڑے کو نظر لگاتے رہنا

ہمیشہ"

NOVEL HUT

”کوئ ضرورت نہیں ہے عاصم دوبارہ میری روٹھی ہوئ محبوبہ

بننے کی" حمزہ ذرا سا چڑھ کے بولا۔ اور دوسری طرف جناب جو سچ میں کچھ ایسا کرنے والے

تھے اپنا ارادہ فوراً ترک کر دیا۔ بھائی اتنی ضروری بات کرنی تھی ایسے میں کیا وہ حمزہ کی ناراضگی

مول لے سکتا تھا؟

"

اچھا نا وہ میں یہ کہہ رہا تھا تمہیں تو زینب کے بھائی کی شادی کا پتا ہی ہوگا مجھے بتانے کی ضرورت

نہیں۔ تو یہ بتاؤ کب چلنا ہے لکھنؤ کیونکہ میں تمہارے اور دانیال کے ساتھ ہی جاؤنگا اتنا تو

تم جانتے ہوگے"

NOVEL HUT

"میں نہیں جا رہا"

اُسنے تھوڑی سنجیدگی سے جواب دیا

عاصم نے گہری سانس کھینچی اسکو حمزہ سے اسی جملے کی امید تھی۔

"

زینب سے کیا دشمنی یار۔ سگے بھائیوں کی طرح مانتی ہے تمہیں

اتنی محبت اور امید سے اُسنے ہمیں بلایا ہے۔ میں۔۔۔ "

"تقریر بند کرو اپنی۔ جب کہ دیا نہیں جانا تو بس"

"اچھا اچھا۔۔ چلاو تو مت دل بہت نازک ہے میرا"

"

میں جانتا ہوں تمنے مجھے منانے کے لیے کال کیا ہے لیکن ایک

NOVEL HUT

بات کان کھول کر سن لو۔ میں نہیں جاونگا" حمزہ نے آخری بات پے زور دیا

"ٹھیک ہے پھر میں زینب کو بتا دونگا تم جانو وہ جانے اُسکی "ناراضگی مول لے لو مجھے کیا

عاصم بولا تو سنجیدگی سے لیکن چہرے پے ایک مسکراہٹ تھی اور تیر نشانے پر لگا

"ایک تو یہ لڑکی"

حمزہ نے دانت پیسے

"چلو اچھا ٹھیک ہے میں بتاتا ہوں۔

اتنا کہہ کے اُسنے کال کاٹ دی۔ دوسری طرف عاصم نے سکرین کو ایک مسکراہٹ سے دیکھا

اور فون جیب میں رکھ دیا۔

وہ چلتا ہوا اپنے کمرے میں آیا کار کی چابھی اٹھائی ۔ شیشے میں خود پے ایک نظر ڈالی درمیانہ قد

گوری رنگت گہری پر کشش سیاہ آنکھیں، ہلکے لمبے نفاست سے کٹے بال۔بلا شبہ وہ ایک وجہہ مرد

تھا۔

ماتھے پے آئے بالوں کو ہاتھوں سے پیچھے کیا اور باہر نکل گیا۔ اب اسے دوسری عظیم شخصیت

کے پاس جانا تھا۔

"""""""""""""""""""""""""""""

ویسے تو لوگ اپنے گھروں میں سکون کی تلاش میں ہوتے ہے۔ صبح کے نکلے کاروباری یا مڈل

کلاس کے نوکری پیشے والے لوگ رات جب اپنے گھر کو لوٹے تو انہیں سکون کے کچھ پل

نصیب ہوں لیکن دہلی جیسے شہر میں شاید یہ ممکن نہ تھا۔ دہلی کا ایک حصہ جیسے ہم پرانی دہلی کے

نام سے جانتے ہیں اپنے کھانے پینے، قدیم عمارتوں اور بازار کے لیے مشہور ہے البتہ ہماری

کہانی کا مرکز اس وقت دہلی کا ایک پوش علاقہ شالیمار باغ ہے۔ دہلی کا یہ حصہ گندگی میں ڈوبا نہیں

تھا۔ صاف ستھری سڑک عتراف میں لگے اونچے درخت اور کیاریوں کی صورت لگی

جھاڑیاں۔ مین روڈ پے اس وقت رش تھا۔ لوگ اپنے دفتر کام کاج کی طرف رواں دواں

تھے۔

سگنل کھولنے پے وہ سیاہ

NOVEL HUT

SUV اپنی ازلی روانی اختیار کرتے ہوئے

اپنی منزل کی طرف بڑھی۔ صاف ستھری روڈ پے وہ سیاہ گاڑی چمکتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی

۔ تقریباً دس منٹ بعد وہ ایک اونچی امارت کے سامنے آکر رکی۔ نیلے ٹنٹڈ شیشے اور چار منزل

میں مقید وہ ایک عالیشان امارت تھی۔

گاڑی کا پچھلا دروازہ کھول کے ایک شخص باہر نکلا۔ دراز قد۔ کسرتی جسم، گندمی رنگت، مغرور

سی ناک، چہرے پے بلا کی سنجیدگی آنکھوں پے سیاہ چشما۔ گرے پینٹ پے سفید شرٹ اور

گرے کوٹ پہنے وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا اپنے آفس کے سامنے آکے رکا۔ سفید اور گرے

۔CEO راہداری کے اختتام پے لگا گرے دروازہ جسپے لکھا تھا

اندر آؤ تو آفس کی تین دیواریں ہلکے نیلے رنگ کی تھی اور ایک سفید۔ جہاں ایک فلورل پینٹنگ

لگی تھی۔

کوٹ کا بٹن کھولتے ہوئے وہ اپنی پاور چیر پے بیٹھا۔

دروازے پے آہٹ ہوئی

"کم ان"

بھاری مردانہ آواز

ایک سیکرٹری چلتی ہوئی اندر آئی

"سر کھنّا صاحب سے جو میٹنگ فکس ہوئی تھی وہ اُنہوں نے کینسل

کردی ہے، انہیں یہ ڈیل نہیں کرنی "

NOVEL HUT

"Their loss"

پھر آگے؟" وہ یوں بولا جیسے فرق ہی نہ پڑا ہو اور اسے واقعی پڑا بھی نہیں تھا۔ مایا (سیکریٹری)

نے چند تفصیلات اور بتائی۔

“

میری کچھ دن کے بعد فلائٹ ہے لکھنؤ کی میں وہاں جا رہا ہوں تین سے چار دن لگ جائینگے اُن

دنوں جتنی میٹنگز ہونی ہے سب اِدھر ہی

wind up ”کرو

"یس سر“

چند اور ضروری باتیں کر کے وہ نکل گئی۔

دانیال مرزا کی شخصیت ہی ایسی تھی کی کوئی انسان اُسّے گور ضروری بات نہ کر پائے لیکن وہ

NOVEL HUT

دونوں۔۔۔ اُنھیں سب معاف تھا

دروازے پے اس بار دستک نہیں ہوئی کوئی اسے اپنی ہی ملکیت سمجھتے ہوئے کھول کے اندر

آیا۔ "کیوں بھائی تیرا فون چاندنی چوک کے چور لے گئے ہیں کیا" عاصم اور اسکا وہی لہجہ وہ

بولتا ہی ایسے تھا کی سامنے والے کو برا نہیں لگتا

"

میں گاڑی میں تھا ضروری میلز کا جواب دے رہا تھا جب تھا تمہیں کال بیک کرنے لگا آفس آ

گیا" اُسکی بھوری آنکھیں گواہ تھی اُسنے جھوٹ نہیں بولا

" میلز چیک کر رہا تھا یا کوئی فیمیل" ایک شرارتی مسکراہٹ

NOVEL HUT

چہرے پے لیے وہ بولا

"ویسے بھی اب تمہیں شادی کر لینی چاہیے دانیال، جیسی تمہاری

شکل ہے کچھ سالوں میں بن بیوی کے دو بچّوں کے باپ لگو گے "

"ہاں تو تم چچا بن جانا میرے گمنام بچّوں کے"

"

دوست آفس آیا ہے یہ نہیں کے چائے کافی پوچھو بس چچا بنوا لو

بچّوں کا "

دانیال ہلکا سا ہنس دیا۔ گال پے گڈھا واضع ہوا

"تمہاری کافی آہی رہی ہوگی، کون نہیں جانتا تمہیں یہاں"

" اب میں ہوں ہی ایسا جہاں جاؤں سب یاد کر لیتے ہیں ہمیشہ

کے لئے "

"اور اس گدھے سے بات ہوئی ؟ کیا کہتا ہے"

"راضی تو لگ رہا تھا یہاں آنے سے پہلے اُسی سے بات ہوئی تھی"

دانیال نے کل اُسے کہا تھا کی حمزہ کو منا لے۔ بات وہ خود بھی کر سکتا تھا لیکن اگر حمزہ نا مانتا تو

دانیال غصے کا تیز تھا وہ مناتا نہیں سیدھے گھر پہنچ کے دو تین مکّے مار آتا اسکو۔ البتہ عاصم کی

خوش مزاج طبیعت سے آپ واقف ہی ہو چکے ہونگے

دستک دے کے ایک لڑکا آیا اور دو کافی کے مگس ٹیبل پے رکھ گیا

"تمنے فلائٹ دیکھی"

عاصم نے پوچھا

"ہاں تین ٹکٹس بک کروا لیے ہے"

NOVEL HUT

"تین؟"

"ہاں ہم تینوں کی"

دانیال نے سپ لیتے ہوئے سادگی سے کہا

”زِندگی میں کچھ ہو نہ ہو ایک

millionaire

دوست ضرور ہونا چاہیئے “جناب نے ہاتھ اوپر کر کے شکر کے کلمات بھی ادا کر دیے۔ دانیال

بس مُسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا

”اگر یہ شکریہ بولتا تو میں اسکا منہ توڑ دیتا لیکن خیر ہے نالائق

اُسنے بس سوچا

"تم آج کورٹ نہیں گئے“

NOVEL HUT

بس یونہی ،جو کیس چل رہا تھا ایسڈ اٹیک والا وہ پرسو ختم ہو گیا۔ لڑکے کو عمر قید کی سزا ہوئی“

ہے" عاصم سنجیدگی سے بولا

دہلی کا سپریم کورٹ اور انصاف ہو گیا۔۔ معجزہ ہے یہ تو" دانیال بولا“

کیا مطلب ہے تمہارا۔ قانون ہے تو مجرم کو سزا بھی ملتی ہے. اور اب اُن پیرانے کیسز کو"

"لے کر نا بیٹھ جانا

میںنے یہ کب کہا قانوں نہیں ہے۔ قانون تو ہے لیکن انصاف نہیں ہے اس ملک میں خاص"

طور پر یہ جہاں تم بیٹھے ہو دہلی شہر۔یہاں اگر کِسی ملزم کو انصاف مل جائے تو سمجھو اُسکی قسمت

"اعلیٰ ہے

"ہو گیا تیرا؟"

!دانیال کی اتنی لمبی اور صحیح بات پے وہ بولا بھی تو کیا۔۔ اف عاصم

NOVEL HUT

ا"چھا وکیل صاحب نہیں بولتا کچھ آپسے"

Millionaire دوست

بنا لے لیکن وکیل دوست نہ بنائے انسان ! دانیال نے بس سوچا

"بنا لینے چاہیے وکیل دوست بھی ورنہ جو ہر دوسرے دن کِسی لڑکے کی ہڈی توڑ کے کھڑے

ہوتے تھے پہلے ، یہ میری سکلز تھی جو تمہیں بچا لیتا تھا"

اُسنے فرضی کندھے جھاڑے

"تمہیں کیسے پتہ میں کیا سوچ رہا ہوں"

دانیال چونکا

عاصم ہاتھ جھاڑتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا

"ایک تم ہی نہیں تنہا اُلفت میں میری رسوا"

NOVEL HUT

مُسکرا کے بولا اور باہر نکل گیا

دانیال کے چہرے پہ گہری مسکراہٹ بکھر گی

ذہن کے پردے پے ایک خوشگوار یاد لہرائی

آج سے سات آٹھ سال پہلے

ایک بڑا کمرہ دھندلا سا نظر آئیگا تمہیں جہاں پانچ سنگل بیڈ موجود تھے اور پانچ ہی سٹڈی ٹیبل جو بیڈ کے ساتھ لگی تھی۔ الماری موجود تھی لیکن شاید اُسکی ضرورت نہیں تھی کیونکہ کپڑے کرسیوں پے ڈھیر تھے۔۔ غور سے دیکھو تو وہ پانچ لڑکے جنکی عمر انیس سے بیس سال تھی اور چہرے پے نو عمری لڑکوں والی معصومیت تھی۔ استغفار! وہ معصوم تو بلکل نا تھے "یار کچھ تو سوچو بس کِسی طرح اس ہوسٹل سے باہر نکل جائے آگے کا میں دیکھ لونگا" نیلی آنکھوں والا لڑکا بولا۔

NOVEL HUT

"سوچ ہی تو رہا ہوں اب کیا الٹا لٹک جاؤں"

دانیال کی طرف سے جواب آیا

"اس وقت تو وارڈن سو رہا ہوگا لیکن واچ مین سے بچنا ہے"

ایک دوبلہ پتلا سا لڑکا تھا "روی" وہ بولا

واہ ! ! یہ تو آپنے ہم سبکی جنرل نالج میں اضافہ کیا ہے ! اتنی بھاری انفاریشن کا احسان ہم"

کیسے اتارینگے "کسکا جواب ہو سکتا ہے یہ ؟ ہمارا اعاصم

"چپ کرو تم دونوں ! میرے پاس ایک آئیڈیا ہے"

یہ دانیال تھا۔۔۔ پانچواں شخص "کرن" تھا جو اب تک اُن سب کی باکواس سن رہا تھا

خاموشی سے

"دیکھو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

NOVEL HUT

دانیال نے پورا پلان اُنھیں سمجھایا ۔ پوری کتھا سننے کے بعد پہلے تو سب سوچ میں پڑے پھر

ایک ایک کر سب نے دھیرے دھیرے سمجھتے ہوئے اثبات میں گردن ہلائی ۔ عاصم نے

گردن اٹھا کے اوپر دیکھا ہی تھا کے اسکی آنکھیں پھیل گئی وہ چاروں اسے ہی مُسکراتے

ہوئے دیکھ رہے تھے۔۔گہری مُسکراہٹ۔

"پاگل ہو گئے ہو کیا چاروں میں نہیں کر رہا یہ رول"

عاصم چڑ کر بولا

"چپ کرو تمہارے علاوہ اور کوئی کر بھی نہیں سکتا یہ"

کرن بولا

اسے پہلے عاصم پھر کچھ بولتا وہ چاروں کھڑے ہوئے۔دانیال نے شرٹ کی آستین پیچھے کی۔

NOVEL HUT

اشارہ صاف تھا۔

"ہاں عاصم کیا کہہ رہے تھے تم"

وہ آستین فولڈ کرتے ہوئے بولا۔۔

"میں تو عبدل باری ہوں میں تو اچھا بچہ ہوں

وہ ہاتھ اٹھا کے بولا

"چلو بس یہ تو ڈن ہو گیا اب کال کرو حمزہ"

! حمزہ نے کال کی۔۔ کس کو؟ صبر کریں

پندرہ منٹ میں ہوسٹل کے گیٹ پے ایک ایمبولینس آ کے رکی وہ چاروں عاصم کو اٹھائے

ایمبولینس تک لائے اور اندر لٹایا۔۔ واچ مین یہ سب دیکھتے آگے بڑھا

"انکل ! انکل ہمارا دوست۔۔"

NOVEL HUT

روي نے تو باقاعدہ آنسو نکال لیے تھے

"انکل ہمارا دوست بہت سیریس ہے پلیز دعا کریں"

دوسری طرف سے حمزہ بھاگا بھاگا آیا "انکل دیکھے عاصم کی طبیعت شدید خراب ہے ہم پہلے

آپکے پاس آتے لیکن مہلت ہی نہیں ملی ہمنے سیدھا ایمبولینس بلا لی" حمزہ کا چہرہ اس وقت اگر

کوئی دیکھ لیتا تو رو دیتا ۔۔ پریشانی خوف جلدی ہر تاثر موجود تھا

(سٹار پلس؟ وہ کیا ہوتا ہے؟)

واچ مین آگے آیا اور اندر لیٹے عاصم کو دیکھا۔

شرٹ کے اوپر کے دو بٹن کھلے۔ بکھرے بال درد سے کراہتا ہوا چہرا وہ مسلسل کروٹیں بدل رہا

تھا۔ بس ایک ڈرپ لگنے کی کمی تھی

NOVEL HUT

(اگر بیک گراؤنڈ میں دھم تانا ننا بج جاتا تو اور بہتر)

دائیں بائیں کرن اور دانیال بیٹھے تھے "یہ تم پانچوں کیوں جا رہے ہو وہ دیکھا کر لے آئیگے تم

دونوں اندر چلو" واچ مین حمزہ اور روی سے بولا

" حمزہ آآآآ میرے بھائ"

عاصم چلایا

" نہیں میں ان آخری لمہوں میں تمہیں نہیں چھوڑ سکتا .. اوہ"

درد سے چور آواز

روی اور حمزہ نے واچ مین کو دیکھا ، ایسی نظریں تھی جیسے ابھی رو دینگے

"انکل ہمارا دوست پلیز انکل"

کِسی طرح بل آخر وہ مکھّن لگا کر باہر آ گئے۔۔۔ ایک دوبلہ پتلا آدمی چلا رہا تھا ایمبولینس، پیچھے

وہ پانچوں تھے ۔ جب گاڑی تھوڑا آگے آ کے بازار والے حصے میں پہنچی تو اُن سب نے ایک

دوسرے کی شکل دیکھی

مریض اب تک اٹھ کے بیٹھ چکا تھا شرٹ کے بٹن بند بال درست۔ سیٹی کی کوئی دُھن بجاتا وہ پیر

جھولا رہا تھا۔ دانیال نے ڈرائیور سے گاڑی روکنے کا کہا

ڈرائیور حیران ہوتا سائڈ میں ایمبولینس روک چکا تھا

"کیا ہوا بچّوں سب ٹھیک ہے نہ ہاسپٹل آنے ہی والا ہے"

"ہاں اسلیے ہی رکوائی ہے۔ آپ جائیں ہاسپٹل ہمیں بس یہیں تک آنا تھا"

حمزہ بڑی مزے سے بولا۔ ڈرائیور پیچھے مڑا اور اُسکے باد کچھ بول ہی نہیں پایا

جس مریض کو وہ لے کر آیا تھا، اُن پانچوں میں سب سے ہشاش بشاس وہی تھا

NOVEL HUT

"یہ کیا حرکت تھی تم سب کی. شرم نہیں آتی ہے یہ سب کرتے"

"شرم بیچ کے ہمنے یہ گاڑی بلوالی تھی"

دانیال بولا اور سب ایک ساتھ نیچے اتر گئے

"رکو تم سب"

ڈرائیو بھی اُترا

"جی بتائیں انکل کوئی بات"

وہ پانچوں ایک ساتھ آگے بڑھے۔ ڈرائیور ایک قدم پیچھے ہوا خطرے کی گھنٹی بجی۔ وہ پانچ

جوان لڑکے تھے اور سب فٹ ۔اسے اپنا خیال آیا چھوٹے لڑکوں سے پٹ تا اچھا نہیں لگے گا

اگر ہوسٹل یہ بات پوہوچی تو اچھا نہیں ہوگا اتنا تو تم سمجھ ہی گئے ہوگے "روی نے اُسکے

کندھے پے ہاتھ رکھ کے زور دیا اور تھپک کے پیچھے ہٹا

NOVEL HUT

کچھ دیر بعد وہ اس بازار کی گلیوں میں گھومتے نظر آئے کھاناپینا چای حسی مذاق۔۔۔

زِندگی بھرپور تھی۔۔۔یہ زِندگی کا ایک بہترین باب تھا۔

وفادار دوست نصیب والوں کو ملتے ہیں ورنہ ہاتھ تو ہر کوئی ملا لیتا ہے۔ نبھانا بہت کم جانتے

ہیں۔

دروازے پے دستک ہوئی تو دانیال چونکہ۔ یادوں کا سلسلہ ٹوٹا۔۔۔ اُسکی زِندگی میں تھے اچھے

.دوست ، اسے کیا ! پھر وہ اپنے کام میں مصروف ہو گیا یہ حفتہ بہت ھیکٹک گزرنے والا تھا۔

""""""""""""""""""""""

شہر: لکھنؤ

اودھ کی سرزمین پے شام بہت سُہانی اترتی ہے۔

لکھنؤ جسِے نوابوں کی نگری کہا جاتا ہے یہاں آپکو قدیم طرز کی گلیوں اور عمارتوں سے لے کر جدید

دور کی ترقی تک سب کچھ دیکھنے کو ملے گا۔

فلحال ہم آپکو لکھنؤ کی مشہور بھوت ناتھ مارکیٹ لے کر چلتے ہیں۔ عموماً تو یہاں کے لوگ اینا

بعد اور چوک کی بازاروں سے خریداری کرتے ہیں لیکن اس لڑکی کو شاید کِسی بات کی جلدی

تھی یا شاید اُسکے پاس پیسے بہت تھے جو اسے کہیں بھٹکنے کی ضرورت نہیں پڑی۔

پیسہ سب کچھ نہیں ہوتا لیکن اگر پیسہ ہو تو بہت کچھ ہوتا ہے۔ زِندگی کی آدھی خواہشیں تو پیسے کی

کمی کی وجہ سے دب جاتی ہیں۔

میٹرو سے نکل کر وہ تیز تیز قدم اٹھاتی مارکیٹ کے مرکزی حصے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ دراز قد

سراپا

NOVEL HUT

ٹخنوں تک آتا لیمن گرین کرتا سفید ٹراوزر پینٹ گلے میں مفلر کی طرح پڑا دوپٹہ، لمبے کالے بال

جو

steps

میں کٹے تھے ،کھلے چھوڑ رکھے تھے۔ سفاک

کتھئی آنکھیں ،ماتھے پے ٹکے گوگلز اور کندھوں پے ایک سلنگ بیگ

جسکی چین کافی لمبی تھی۔

زینب دُرّانی۔

دو دن بعد احد (زینب کا بڑا بھائی) کا نکاح تھا اور لڑکیوں کی تیاری۔ اف ! بس چلے تو عین

نکاح کے وقت تک ٹچ آپ کرتی رہیں۔

چوڑیاں اور کچھ ضروری سامان لے کر وہ واپسی کے راستے پے تھی کے کوئی مرد اُسکے عقب

سے گزرا۔ اُسنے سَرسَری سا ہاتھ زینب کے ہاتھ پے پھیرا اور آگے بڑھنے لگا۔

NOVEL HUT

اگلے ہی لمحے ایک لمبی چین اس آدمی میں گلے میں تھی۔ وہ بے اختیار لڑکھڑایا ۔ موقع دیے بنا زینب نے اپنے بیگ کی چین کی گرفت اُسکے گلے کے گرد مضبوط کرتے ہوئے اپنے پیروں سے اُسکے گھٹنے کے پچھلے حصے پے ٹھوکر ماری

وہ آدمی نیچے گرا۔ اتنے میں کئی گردنے مڑ چکی تھی۔ کئی لوگ رک چکے تھے۔ زینب نے اُسکے گلے سے چین نکلی اور جھک کے اپنا چشمنہ اٹھایا جو گر چکا تھا اور ٹوٹ بھی گیا تھا "تچ ! توڑ دیا نا۔ بھلا لوگوں کو یہ کیوں لگتا ہے کی اگر بندہ امیر ہے تو اُسے فضول میں پیسے خرچ کرنے کا شوق ہوتا ہے۔ بھائی کنجوسی بھی کوئی چیز ہوتی ہے" اتنے آم سے لہجے میں بولا گیا جیسے کچھ سیکنڈ پہلے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ وہ آدمی اُسے گھور رہا تھا لیکن زینب اپنا چشمنہ ٹٹول رہی تھی

"کیا کیا ہے زینب یہ"

اقرا اُسکی کزن جو اُسکے ساتھ آئی تھی بولی ۔ وہ آدمی وہاں سے اٹھ کے بھاگ چکا تھا۔پتہ نہیں

کہاں؟

"اُسنے شروع کیا ! وہ میرا ہاتھ پکڑنا چاہ رہا تھا"

"ہو سکتا ہے غلطی سے لگ گیا ہو بھیڑ دیکھی ہے تمنے یہاں"

"ہاں ! دیکھی ہے"

وہ تھوڑا طیش اور ڈرامائی انداز میں بولی "اور تمسے بہتر دیکھی ہے، بھلا بتاؤ اس لیڈیز مارکیٹ میں

جہاں صرف عورتیں آتی ہیں وہاں اس بدتمیز کا کیا کام تھا۔ ایسے لوگ عورتوں کی بھیڑ میں

NOVEL HUT

کیوں ہوتے ہیں کیا تمہیں نہیں پتہ

"اف اللہ تمہیں بس اس سب کا موقع چاہیے ہوتا ہے

"

میں لڑائی شروع نہیں کرتی، کبھی نہیں، لوگ خود آکر مجھ معصوم کا سکون حرام کر دیتے ہیں“

پلکیں جھپکا کر وہ معصومیت سے بولی اور اقرا کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر مزے سے آگے بڑھ گئی

جیسے پیچھے ابھی کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ ہوا تو تھا، اسکا چشمہ ٹوٹ گیا تھا، اف ! اُسکی کلیکشن سے

ایک رے بونڈ کم ہو گیا تھا !

""""""""""""""""""""""""

حمزہ کا شپ جس وقت بندرگاہ پوہچا وہ رات کا پہلا پہر تھا۔ کبھی گجرات کبھی چینی تو کبھی ممبئی

کی برندرگاہ سے وہ اپنے سفر کو شروع کرتا تھا اور انہی بندرگاہ وں پے واپسی ہوتی تھی ۔ اس

وقت وہ ممبئی میں واقع جوہرلال نہرو پورٹ کی طرف جہاز کو لیے جا رہا تھا۔

جس وقت جہاز اپنی جگہ پے اکر رکا رات کے دس بج چکے تھے۔ سمندر کا پانی اپنے دوسرے

روپ دیکھا رہا تھا۔ وہ گہرائیاں جو دن کے اجالے میں بہت پر کشش نظر آتی ہے ،جب سورج

NOVEL HUT

کی روشنی پڑے تو لہریں چمک اٹھتی ہیں ۔ انہی روشن لہروں کا ایک ہیبت ناک روپ بھی ہوتا ہے جو وقت ڈھلنے پر رات کے اندھیرے میں دیر سے نظر آتا ہے۔ (اور یہ بات لہروں کے لیے نہیں تھی)

ماتھے پے بکھرے بال نیلی آنکھوں میں تھکن لیے وہ جہاز سے اتر چکا تھا اور اپنے بیریک کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ہاربر ماسٹر سے مل کر وہ اب پورٹ کی راہداری میں موجود تھا کے اُسے ایک کال موصول ہوئی۔

"Mumma calling"

NOVEL HUT

السلامُ علیکم امّی۔۔"

"جی جی پوہچ گیا ہوں۔ بس کار کی طرف ہی جا رہا تھا

"اشرف کافی دیر سے تمہارا انتظار کر رہا ہے بیٹے"

“

میںنے کہا تھا میں آجاونگا اپنے خوام خا ڈرایور کو بھیج دیا" ابھی وہ آگے کچھ بولتا کی اُسے اپنے آس

پاس ایک آہٹ محسوس ہوئی۔ وہ سمجھ گیا تھا پھر سے کچھ ہونے والا ہے۔ نیلی آنکھیں چوکنا

ہو گئی

اچھا میں رکھتا ہوں امّی آپ فکر نہ کرے کچھ دیر میں پوھچ جاونگا گھر" اور اُسنے کال کاٹ دی۔“

اب وہ اطراف میں دیکھے بنا سیدھا سیدھا آگے چلتا جا رہا تھا۔ اُسے پتہ تھا حملاور ہمیشہ کی طرح

پیچھے سے حملا کریگا۔ افسوس وہ غلط تھا۔

NOVEL HUT

ابھی وہ ایک قدم بڑھاتا کے رحاداری میں موجود کنٹینرز کے بیچ سے ایک نقاب پوش آدمی نکلا

اور حمزہ کے بائیں ہاتھ پے لات ماری۔ جس حصے میں وہ موجود تھے وہ اس وقت سنسان تھا۔

حمزہ کو اپنی جان کا خطرہ ہر وقت لاحق رہتا تھا۔ آخر کون تھا جو اُسکی جان کا دشمن تھا؟ بھلا حمزہ

جیسے شخص نے کِسی سے کیا بیئر مول لیا تھا؟ کیوں کوئی اسکو مارنا چاہتا تھا، اور سب سے بڑا

سوال ! کون ہے وہ؟

حمزہ گرا اور باریک رفتاری سے اٹھ بھی کھڑا ہوا جیسے وہ اس حملے کے لیے تیار تھا۔

نقاب پوش ایک بار پھر حمزہ پے جھپٹا لیکن اس بار حمزہ تیار تھا وہ سائڈ سے نکل کر پیچھے آیا اور

نقاب پوش کی پیٹھ پر لات ماری ،وہ آدمی نیچے گرا اُسے اٹھنے کا موقع دیے بغیر حمزہ نے اُسے گردن

کے پچھلے حصے سے دبوچا اور اسکا سر پاس کھڑے کنٹینر میں سے ایک پے دے مارا۔

"کون ہو تم۔ کیوں میرے پیچھے پڑے ہو"

وہی جملہ۔ حمزہ اُسکے کان کے قریب غرایا۔ یہ پہلی بار تھا جب وہ آدمی اُسکے ہاتھ لگا تھا۔ ورنہ

پچھلی دو بار میں حمزہ کو مات ملی تھی۔

حمزہ نے اسکا چہرا اپنی طرف موڑا۔ اتنی بار سر کنٹینر پے مارنے کے باعث ایک پتلی خون کی دھار اُسکے ماتھے سے بہہ رہی تھی۔ گہری کالی آنکھیں حمزہ کی آنکھوں پے جمی تھی۔ حمزہ کو لگا اُسنے یہ آنکھیں پہلے کہیں دیکھ رکھی ہے۔

حمزہ اسکا ماسک کھینچنے ہی والا تھا کے اس نقاب پوش نے اپنا سر حمزہ کی ناک پے مارا اور اپنے آپ کو چھوڑاتا ہوا وہاں سے بھاگا۔ اُسکے سر سے خون نکل رہا تھا لیکن پھر بھی وہ لڑنے کے قابل تھا۔ پھر وہ بھاگ کیوں گیا

حمزہ نے ناک سے نکلتے خون کو ہاتھوں کی پشت سے پوچھا۔ اور اُسکے پیچھے بھاگنے ہی لگا تھا کے نیچے دیکھا ایک کاغذ پڑا ہے۔ کاغذ اٹھا کے کھولا تو اُسپے سرخ رنگ سے صرف ایک ہی عبارت لکھی تھی

"soon you'll loose your life honey !"

حمزہ کے ماتھے پے شکن آئی اُسنے کاغذ موڈ کے پھینک دیا

"ہنہ ! جیسے یہ نہ بتاتے تو موت نا آتی مجھے"

میں روڈ پے اشرف (اسکا ڈرائیور) گاڑی لیے پہلے سے کھڑا تھا۔ گاڑی کا پچھلا دروازہ کھول کے

حمزہ اندر بیٹھا اور ڈرائیور نے گاڑی بڑھا دی۔ تقریباً آدھے گھنٹے کے سفر کے بعد گاڑی ایک سیاہ

گیٹ کے سامنے آکر رکی۔ سفید اونچی دیواریں ،ڈبل سٹوریڈ مکان تھا جسکی سیلنگ اور دیوار

کی کناروں پے گولڈن لائٹس لگی تھی۔ ایک بڑا سیاہ دروازہ جسکے ساتھ لگی تختی پے

لکھا تھا۔ "Siddique Villa"

NOVEL HUT

گاڑی پورش میں آکر رکی اور حمزہ باہر نکلا۔

گردن اٹھا کر اُس ولا نما مکان کو دیکھا۔ یہ وہ مکان تھا جہاں اُسکے والدین رہتے تھے، جہاں

اسکا اور اُسکے بھائی بہن کا بچپن گزرا تھا، یہ وہ مکان تھا جہاں حمزہ بڑا ہوا تھا، جہاں اُسنے بچپن

سے ہی ہر وہ چیز دیکھی تھی جو اُسکے لیے اچھی بری دونوں تھی، اس مکان کے مکینوں سے اسکا

خونی رشتا تھا۔ لیکن کیا یہ ایک گھر تھا حمزہ کے لیے؟

نہیں ! وہ فقط ایک مکان تھا جہان اسکا کھاندان رہتا تھا۔

صدیقی ولا آج سے کچھ سال پہلے تک ایک اپر مڈل کلاس طرز کا مکان تھا جیسے صدیقی

صاحب(حمزہ کے والد) نے بنوایا تھا۔ صدیقی صاحب کا اپنا کپڑوں کا بہت بڑا کاروبار تھا، ایک

فیکٹری اور تین دکانیں، انکے یہاں سے کپڑا باہر ملکوں میں بھی ایکسپورٹ کیا جاتا تھا۔ ممبئی جیسے

مہنگے شہر میں اتنا سب کچھ ہونا آپ پے ایک امیر اور جانی مانی شخصیت کا لیبل لگا دیتا ہے ۔

NOVEL HUT

حمزہ کے مرچنٹ نے وی

(merchant navy)

میں شمولیت اختیار کرنے کے بعد

صدیقی صاحب کا گھر ایک ولا بن چکا تھا۔ موجودہ حال میں اس مکان میں موجود ہر آسائش،

اسکا رنوویشن اور سب کچھ اللہ کے بعد حمزہ کی وجہ سے تھی۔

لیکن گھر تو وہ ہوتا ہے جہاں انسان اپنے سکون کے لیے آتا ہے، چار دیواریں کھڑی کر کے ان

میں لوگوں کو بھر دینا، لیکن اُن لوگوں میں اتحاد یا محبت کا رشتا نہ ہو، تو وہ بس ایک مکان ہوتا

ہے۔ جہاں انسان اپنی زندگی گزارتا ہے، جیتا نہیں ہے۔

حمزہ کا سکون وہ نیلا پانی، وہ سفاک لہریں، وہ منظر جب سورج ڈوبتے ہوئے پانی میں سماتا ہوا

نظر آتا، وہ جہاز جس کی وجہ سے وہ اُن گہرے سمندر تک پہنچ جاتا، یہ سب تھا۔ اُسے سمندر سے

NOVEL HUT

عشق تھا۔

اور سمندر کے بعد اگر وہ کسی کو اپنا سکون اور گھر کہتا تو وہ تھے وہ تین لوگ ! ۔ عاصم، دانیال

اور زینب۔

حمزہ کے ساتھ دروازہ کھول کے اندر آؤ تو بھورا ایپل ووڈ کا فرش اور سفید دیواروں والی

راہداری نظر آئیگی۔ سیلنگ میں لگی سفید بتیاں اور راہداری عبور کرتے ہی ایک بڑا سا لاؤنج

لاؤنج میں گہرے سرمئی رنگ کے صوفے پڑے تھے

L-shape

میں۔بیچ میں شیشے کی ایک میز رکھی تھی۔ لاؤنج کی ایک دیوار پے شیشے کا سلائڈنگ دروازہ لگا

تھا۔ جو باہر بیکیارڈ میں کھلتا تھا۔

صوفے پے وہ سفید شلوار قمیض پہنے آنکھوں پے چشمنہ ٹکائے بیٹھے تھے۔ اپنے فون پے کچھ

دیکھ رہے تھے جب آہٹ ہونے پے چہرا اٹھایا۔ سیاہ آنکھیں چمک اٹھی۔

"آ گئے بر خوردر"

صدیقی صاحب مُسکراتے ہوئے بولے۔ حمزہ آگے آیا سلام کر کے انکے قریب بیٹھ گیا

"یہ تمہارے کپڑوں کو کیا ہوا اتنے گندے کیسے ہو گئے"

اُنہونے پریشان ہوتے ہوئے پوچھا

"کچھ نہیں بس ڈیک سے کچھ سامان نکلتے ہوئے گندے ہو گئے"

(ڈیک بحری جہاز میں موجود ایک حصے کو کہتے ہیں جو ذرا

(نیچے کی طرف ہوتا ہے

"ڈیک سے سامان نکال رہے تھے ؟ وہ بھی تم؟ اور یونیفارم میں؟"

اُنہونے تو پوری تفتیش ہی بیٹھا دی۔ "جی وہ بس کچھ سامان آخر میں نیچے گر گیا تھا، تو میں ایسے

ہی چلا گیا" وہ اُن سے سچ نہیں بتا سکا۔ اُنھیں پتہ تھا کی حمزہ کے دشمن ہے لیکن حمزہ نے آج

والے واقعی کو چھوپنا بہتر سمجھا۔ نہ جانے کیوں؟

NOVEL HUT

آ گئے آپ پورے دس دن بعد، اب تک میں اتنے سکون سے تھی یہاں "عقب سے آتی آواز"

پے وہ پلٹا اور کھلے دل سے مسکرایا۔ سامنے ایک دُبلی پتلی لڑکی کھڑی تھی۔ سیاہ سادہ سا سوٹ

پہنے بال کھولے اور گہری سیاہ آنکھیں بلکل صدیقی صاحب جیسی، چہرے کی بشہت بلکل حمزہ

جیسی تھی، وہی چہرا وہی نقوش

حمیرا صدیقی ! اُسکی چھوٹی بہن

"کہو تو چالا جاتا ہوں

"ارے اب آہی گئے ہیں تو رک جائیں اپنا ہی گھر سمجھے

NOVEL HUT

وہ آ کے سامنے والے صوفے پے بیٹھ گئی

"امی کہاں ہیں ویسے"

"حمزہ بیٹے"

اس بار حمزہ کھڑا ہوا اپنی جگہ سے اور آگے بڑھا۔ سامنے ہی وہ کھڑی تھی سادہ سلوار قمیض پہنے

سر پے دوپٹہ لیے۔ سادہ معصوم سا چہرہ اور آنکھیں بلکل حمزہ جیسی نیلی۔ وہ آگے بڑھا اور انہی

گلے لگاتے لگاتے رکا۔ اُسکے کپڑے گندے تھے اُسنے اَپنی شرٹ دیکھی اور پھر اپنی ماں کو جو

اب تک پریشان بھی ہو چکی تھی اُسکی حالات دیکھ کے

جھک کر اُنکے سر پے بوسا دیا اور وہی ڈیک والی کہانی اُنکے سامنے بھی گڑھ دی

"

اچھا نہ مجھے بہت بھوک لگی ہے پلیز کھانا لگوا دیں، پھر میں آرام کرونگا

NOVEL HUT

"

ہاتھ منہ دھو کے اُسنے کھانا کھایا اور اپنے کمرے میں آیا۔ سرمئی دیواریں،بیچ میں پڑا ایک کنگ

سائزبیڈ جس پے سرمئی ہی بیڈ شیٹس تھی۔ ایک دیوار پے کئی تصویریں لگی تھی۔ سمندر کی،

جہاز کی، ڈوبتے سورج کی، اور اُسی دیوار سے لگی ڈریسنگ ٹیبل

پھر دوسری طرف اگر تم گردن گھماؤ تو ایک دیوار۔۔ ایک منٹ ! دیوار نظر ہی نہیں آئے گی۔

اس پوری دیوار پے بہت وسیع سا سفید رنگ کا بک شیلف تھا۔

زمین سے لے کر تقریباً حمزہ کے قد سے تھوڑا اور اونچا۔ دائیں دیوار سے بائیں دیوار تک چوڑا ۔

کوئی بھی اس کمرے میں آتا تو ایک لمحے میں سمجھ جاتا کہ کمرے کا مقین ایک کتابی کیڑا ہے۔

وہاں کئی قسم کی کتابیں موجود تھی۔ اردو ادب کی نولز، لٹریچر، قدیم طرز کی فینٹسی ، بحری

جہازوں اور سمندر کی انسائیکلوپیڈیا اور بھی بہت کچھ۔

(ہر ریڈر کا خواب جی رہا تھا یہ لڑکا)

حمزہ فریش ہو کے باتھرُوم سے نکلا، اب وہ ڈھیلے سے ٹراوزر اور سفید شرٹ میں تھا۔ گیلے بال

ماتھے پے بکھرے تھے۔

وہ بیڈ تک آیا تو دیکھا سائڈ ٹیبل پے ایک شادی کا کارڈ پڑا ہے۔ یہ زینب نے بھیجا تھا اُسے۔ وہ

کچھ یاد کرتا ہوا مُسکرا دیا۔ عاصم نے اُسے بتا دیا تھا کی فلائٹس کنفرم ہو چکی ہے۔

وہاں جانے کے خیال سے ہی اُسکے چہرے پے ایک سایہ سا لہرایا۔ سارے خیال جھٹک کر

اُسنے سونے کا ارادہ کیا اور لیٹ گیا۔

""""""""""""""""""""

NOVEL HUT

چند دن بعد

لکھنؤ

آج احد کا ولیما تھا۔ وہ عالیشان سا میریج لان بہت نفاست سے سجایا گیا تھا۔ سفید اور گلابی

aesthetic پھولوں سے سجا وہ لان بہت

سا سماں طاری کیے تھا۔ اسٹیج پے احد سیاہ تھری پیس سوٹ میں ملبوس بیٹھا تھا ساتھ ہی

اُسکی نئی نویلی دلہن بیٹھی تھی۔ اسٹیج سے ذرا فاصلے پر ایک اور اسٹیج تھا جہاں کچھ موسیقی

گاتے گلوکار موجود تھے۔ یہ احد کی فرمائش تھی کے

DJ

کی جگہ قوالی ہوگی۔

NOVEL HUT

باقی لان گول میز موجود تھی جن کے ارد گرد کرسیاں رکھی تھی۔ مہمان آنا شروع ہو چکے تھے۔

اُسی لان میں ایک میز کے پاس وہ تینوں کھڑے تھے۔ عاصم اور دانیال نے سیاہ ٹوپیس سوٹ

پہن رکھا تھا البتہ حمزہ نے سرمئی۔

نیلی آنکھوں میں اسرابی سی کیفیت تھی۔ کوئی بھی دیکھ کے بتا دیتا وہ زبردستی یہاں لایا گیا

ہے۔ دانیال سکون سے ایک ٹانگ پے دوسری رکھے بیٹھا تھا۔ عاصم نے حمزہ کے کندھوں

پے ہاتھ رکھا۔

"

دیکھو میرے بھای ، اپنی یہ مونا لصا جیسی شکل سدھار لو، کچھ

نہیں ہوتا سب ٹھیک ہے

"

NOVEL HUT

(ہاں ابھی تک تو سب ٹھیک ہی تھا)

"

میںنے منا کیا تھا، تم لوگ زبردستی مجھے لائے ہو، اب کیا میں

یہاں ناچو

"

"قوالی پے ناچتے ہوئے کیسے لگو گے"

دانیال اُسکی بات پے ہنس پڑا ،دائیں گال پے گڈھا اُبھرا

ویسے حمزہ ایک پرفارمنس دے دینی چاہیے تمہیں، ہم بھی دیکھیں ایک کیپٹین ناچتا ہوا کیسا لگتا"

ہے" جہاں کہیں بھی دوستی کا ایک تکوں موجود ہو وہاں یہی ہوتا ہے۔ دو مل کے ایک کے

پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ حمزہ نے اُن دونوں کو نظر انداز کیا اور اٹھ کے زینب کو ڈھونڈنے چلا گیا۔

NOVEL HUT

ان دونوں کا تو کام ہی یہی بکواس کرنا تھا۔

زینب گہرے سبز رنگ کے لہنگے میں ملبوس تھی۔ سیاہ لمبے بال کرل کر کے کھلے چھوڑ دیے

تھے، نفاست سے کیا گیا میک اپ۔ وہ آج معمول سے ھٹ کے خوبصورت لگ رہی تھی۔

زینب آتے ہوئے مہمانوں سے مل رہی تھی جب حمزہ کو اپنی طرف آتا دیکھا۔ وہ اُسکی طرف بڑھی۔

"کیا ہوا حمزہ سب خیریت؟"

"بس یونہی !"

زینب اُسکی آنکھیں پڑھ سکتی تھی۔ وہ حمزہ کو یہاں بلانا بھی چاہتی تھی اور نہیں بھی۔ لیکن اتنی ضروری تقریب پے وہ اُسے کیسے نہ بلاتی۔

"دیکھو حمزہ۔۔۔۔۔"

NOVEL HUT

لان کے مین گیٹ پے ایک چمکتی ہوئی سیاہ گاڑی آکر رکی۔ پچھلا دروازہ کھول کے ایک باریک سی اونچی سرمئی ہیل میں مقیّد پیر باہر نکلا۔

گاڑی کے دروازے پے اپنا ہاتھ رکھ کے جسکے تین انگلیوں میں روز گولڈ رنگز تھی ،وہ باہر نکلی۔

محفل کی رونق اب محفل کی طرف گامزن تھی۔

کلائیوں تک آتی نیلی آستین۔ نفاست سے ڈریپ کی گئی گہرے نیلے رنگ کی ساری جو بلکل

سادہ تھی لیکن بارڈر پے نیلے ہی رنگ کے نگینوں کا جڑاؤ کام تھا۔ سیاہ لمبے بال کِسی آبشار کی

صورت کمر پے بکھرے تھے۔ رنگت گوری تھی۔ آنکھیں سیاہ۔ غزال جیسی گہری سیاہ

آنکھیں۔

کِسی سے بات کرتے ہوئے وہ ہستی مسکراتی آگے بڑھ رہی تھی۔

لان کے اندر اندر جیسے ہی وہ پہنچی سامنے ہی زینب کھڑی نظر آئی۔ اور۔۔۔۔۔ اور ساتھ ہی

وہ کھڑا تھا۔

دیکھو حمزہ۔۔۔۔۔" زینب کیا کہہ رہی تھی اُسے کچھ سنائی نہیں دیا آس پاس کی ساری روشنی

مدّھم ہو گئی۔ صرف وہ تھی اور وہی تھی۔

کہیں دور سے گلوکار کی آواز آرہی تھی۔

یہ ناگن سے زلفیں، یہ ذہریلی ننظریں

وہ پانی نا مانگے یہ جسکو بھی ڈث لیں

حمزہ کی نظریں بے اختیار اُسکی طرف اُٹھی۔ وہ آج بھی ویسی ہی تھی۔ حمزہ کو اپنا دل کانوں

میں دھڑکتا محسوس ہوا۔ بس یہی ایک نظر تھی جسکی وجہ سے وہ یہاں آنے سے گریز کر رہا تھا۔

آس پاس کیا ہو رہا ہے کیا نہیں کچھ متلب نہیں تھا اب اُسے۔ وہ بس حلیمہ فاروقی کو اپنی

طرف آتا دیکھ رہا تھا سانس روکے

NOVEL HUT

(اُسکی طرف؟)

وہ لٹ جائے جو تمسے دل کو لگائے

پھرے حسرتوں کا جنازہ اٹھائے۔

حلیمہ زینب کے پاس آئی مُسکرا کے اُسے ملی۔ زینب کی تقریب تو اب شروع ہوئی تھی۔

کہاں رہ گئی تھی اتنی دیر سے صرف تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔ اور انکل آنٹی احمر سب کہاں"

ہے"

وہ بس آ ہی رہے ہیں احمر میرے ساتھ ہی آیا ہے شاید پیچھے رہ گیا" کانوں میں اُسکی آواز گئی"

سال بعد پڑی تھی۔ حمزہ کو اپنا دل رکتا ہوا محسوس ہوا۔ وہ چہرا پھیر گیا۔

ہے معلوم ہم کو، تمہاری حقیقت،

محبت کے پردے میں کرتے ہو نفرت

NOVEL HUT

زینب نے ایک نظر حمزہ کو دیکھا پھر حلیمہ کو۔ حلیمہ تو حمزہ کی موجودگی کو یوں نظر انداز کر رہی

تھی جیسے وہ وہاں موجود ہی نہ ہو۔ حلیمہ زینب کا ہاتھ تھامے آگے بڑھ گئی۔ گلوکار ابھی بھی

آگے کے مصرے ادا کر رہا تھا

حمزہ گردن پھیر کے اُسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا، سارے قصے، یادیں، لمحے سب تازہ ہو گئے،

سارے غم پھر سے یاد آنے لگے

"وہ پگھلنے والوں میں سے نہیں ہے، اُسے کوئی نہیں پگھلا سکتا"

دانیال نہ جانے کب اُسکے پاس آیا۔ حمزہ نے اُسے دیکھا

"لیکن میں نے تو پگھلا لیا تھا نہ"

وہ بے بس سا بولا

"اور تمنے گوایا بھی خود ہی ہے"

NOVEL HUT

حمزہ نے دوبارہ گردن موڈ کے حلیمہ کو دیکھا ،دانیال نے بھی اُسکی نظروں کی تعاقب میں دیکھا وہ

دور کھڑی تھی اُسکے ساتھ عاصم کھڑا تھا، دونوں کِسی بات پے ہنس رہے تھے۔

کندن جب ایک بار پگھل جائے اور پھر کسی سانچے میں ڈھال کے اُسے ایک شکل دے دی"

جائے، تب وہ اور زیادا مضبوط اور اثر انگیز ہو جاتا ہے" دانیال یونہی حلیمہ کو دیکھتے ہوئے بولا،

حمزہ کے گلے میں گلٹی ڈوب کے ابھری۔ اُسنے دانیال کو دیکھا، وہ آنکھوں میں ہم دردی لیے

اُسے دیکھ رہا تھا۔ حمزہ کے ذہن کے پردوں پے ایک منظر لہرایا۔

(آج سے سات سال پہلے

"حمزہ یہ بھول مت کرو، بہت پچھتاو گے

ایک دُبلی پتلی سی سیاہ آنکھوں والی لڑکی اُسکے سامنے کھڑی اُسے کہہ رہی تھی۔ چہرے پے

فکرمندی تھی، آنکھوں میں اپنائیت۔ یہ حلیمہ فاروقی کافی مختلف تھی۔

"تمہیں اندازہ بھی ہی تم کیا کہہ رہی ہو"

نیلی آنکھوں والا لڑکا حیران سا، ضبط کرتے ہوئے بولا

"دیکھو میں جانتی ہوں یہ بہت بڑی بات ہے لیکن۔۔۔ لیکن حمزہ میرا یقین کرو"

"پلیز حلیمہ آئندہ یہ بات نا کہنا"

یہ وہ لمحہ تھا جب حمزہ نے حلیمہ کو کھو دیا تھا۔ وہ آنکھوں میں ایک عجیب سا تاثر لیے اُسے دیکھ کے رہ گئی

"تمہیں مجھ پے یقین نہیں ہے؟"

"حلیمہ مجھے تم پے خود سے بھی زیادہ یقین ہے۔۔۔"۔

حمزہ بے بس سا آگے بڑھا اور حلیمہ کا ہاتھ تھام کے بولا، اسکا لہجہ نرم تھا

NOVEL HUT

"۔۔۔لیکن جو تم بول رہی ہو وہ، وہ میں نہیں مان سکتا"

حلیمہ نے ایک جھٹکے سے اپنے ہاتھ اُسکے ہاتھ سے نکالے۔ حمزہ ایک قدم آگے بڑھا وہ دو قدم پیچھے ہوئی

"ٹھیک ہے"

وہ آنسو کا پھندا گلے میں اتارتے بولی، اُسکی آنکھیں سرخ ہو چکی تھی۔ "پھر میں بھی جب تک ثبوت تمہارے منہ پے نہ مار دوں پیچھے نہیں ہٹونگی" اتنا کہہ کے وہ پلٹ گئی حمزہ نے اُسے آواز دینی چاہی لیکن نہیں دے سکا۔ یہاں حمزہ صدیقی اپنی زِندگی کی ایک بہت بڑی غلطی کر چکا تھا۔

۔۔۔۔۔۔۔ سن رہے ہو نہ" دانیال نے اُسے کندھے سے پکڑ کے ہلایا تو وہ حال میں واپس آیا

"کیا؟ کہاں کھوئے ہوئے ہو"

NOVEL HUT

"کچھ نہیں بس کچھ یاد آگیا تھا۔ آؤ چلیں"

سارا ہوش، سکون، توجہ تو وہ نیلی ساری والی لے گئی تھی۔

(وقت کو ذرا سا پیچھے کر کے وہاں چلتے ہیں جب زینب حلیمہ کو لیے آگے بڑھی تھی)

حلیمہ زینب کا ہاتھ تھامے آگے بڑھ رہی تھی کے اتنے میں کوئی اُسکے کندھے کے پاس جھکا

"سلام محترمہ"

حلیمہ بے اختیار پلٹی۔ عاصم مسکراتا ہوا اُسکے سامنے کھڑا تھا۔ حلیمہ ہنس دی چند لمحے قبل والی

ویران آنکھیں چمک اٹھی۔ عاصم کی موجودگی ہی ایسی تھی۔

"کیسے ہیں وکیل صاحب"

مسکراہٹ ہونز قائم تھی

"بس آپ کی دعائیں ہیں"

NOVEL HUT

"معزرت لیکن ہمنے کوئی دعائیں نہیں کی"

زینب اُسے گھورتے ہوئے بولی۔

"میںنے تمسے نہیں کہا، اور تم یہاں کر کیا رہی ہو"

(اف عاصم ! اُسی کے بھائی کی شادی ہے، ایک تو یہ بنا سوچ سمجھے بول جانے والی عادت۔)

زینب نے بھوّیں اچکا کر اسکو دیکھا جیسے پوچھ رہی ہو اچھا؟

"میرا مطلب تھا یہاں کیا کر رہی ہو، اس جگہ، ہم بات کر رہے ہیں جاؤ یہاں سے" وہ چڑ کے بولا

"میں یہاں نہیں، تم ہمارے راستے میں آئے ہو"

"میں تو ہوں ہی بیغیرت، آپ چلی جائیں"

وہ تپانے والی مُسکراہٹ لیے بولا۔ زینب نے دانت پیستے ہوئے ضبط کیا

NOVEL HUT

"! چلو حلیمہ"

اُسنے حلیمہ کا پکڑا

"حلیمہ نہیں جائیگی مجھے اُسّے بات کرنی ہے"

حلیمہ اُن دونوں کے بیچ چکرا کے رہ گئی، اُسے ہنسی بھی آ رہی تھی

"لیکن اُسے تمسے کوئی بات نہیں کرنی، کیوں حلیمہ؟"

زینب نے حلیمہ کو دیکھا۔ عاصم نے بھی۔ حلیمہ اپنا سر پکڑ کے رہ گئی

"تم دونوں نے اب تک لڑنا نہیں چھوڑا، اب تو ختم کردو"

حلیمہ ہنسی دباتے ہوئے بولی

"میں نہیں شروع کرتی لڑائی، یہی میرے منہ لگتا ہے"

وہ بال جھٹکتے ہوئے کندھے اچکا کے بولی

NOVEL HUT

میں منہ لگتا ہوں؟، میں حلیمہ سے بات کر رہا تھا تمنے ٹانگ اڑائی تھی" زینب نے حلیمہ کا ہاتھ"

پکڑ اُسے اپنے پیچھے کیا اور اُن دونوں کے درمیان آ کھڑی ہوئی

" لو اب پوری کی پوری اڑ گئی ہوں"

عاصم نے دانت کچکچائے۔

"زینب میں بتا رہا ہوں ھٹ جاؤ ورنہ۔۔۔"

"ورنہ؟ ورنہ کیا ہاں؟"

آس پاس لوگ موجود تھے وہ دونوں ہی اپنی آواز دھیمی رکھے

تھے(اسے پتا چلتا ہے عقل دونوں میں تھی، بس جب ایک ساتھ ہوتے تو کام کرنا بند کر دیتی

تھی)

"زینب سننے تو دو وہ کہنا کیا چاہ رہا ہے"

NOVEL HUT

اُسّے پہلے کچھ ہوتا حلیمہ بول دی۔

"کیوں تنگ کر رہے ہو اسکو پھر سے"

عاصم کے عقب سے آتی دانیال کی آواز پے وہ مڑے۔ بھوری آنکھوں والا مرد چہرے پے

مدھم مُسکراہٹ لیے ہوئے تھا۔ حمزہ کو کچھ سمجھا کے وہ بھی اِدھر آگیا تھا۔

"تو تو چپ ہی کر، آیا بڑا سگا اسکا"

کہیں سے جلنے کی بو آرہی ہے، میں ذرا پاپا سے کہتی ہوں کھانے کا پورشن چیک کر لیں" آنکھیں"

ٹپ ٹپا کر بولتی وہ وہاں سے چلی گئی۔ اسے اور مہمانوں کو اٹینڈ کرنا تھا۔ حلیمہ اور دانیال ہنس

دیے۔

"Grow up guys"

NOVEL HUT

دانیال اُسکے کندھے پے ہاتھ رکھ کے مسکراتا ہوئے بولا

"بتاؤ عاصم کیا کہہ رہے تھے تم"

"کہہ کیا رہا تھا بس ایسے ہی کچھ بات کرنی تھی"

وہ ہلکے پھلکے انداز میں بولا اب کی

(بس وہ لومڑی دوبارہ نہ دکھ جائے)

تم بتاؤ دانیال کیا چل رہا ہے، اسے تو میری بات چیت ہوتی رہتی ہے اکثر، البتہ تمسے ملے ایک"

زمانہ ہو گیا۔

"

وہ دانیال کی طرف متوجہ ہوئی

" بس یونہی مصروفیات رہتی ہے، وقت ہی نہیں مل پاتا"

NOVEL HUT

اپنو کے لیے وقت نکالنا پڑتا ہے, رشتوں میں ایک بار دراڑ پڑ جائے تو وہ کسی سیمنٹ،"

مورنگ یا ریت سے نہیں بھری جاتی" وہ دونوں مرد اُسے دیکھ کے رہ گئے۔

"تم تو انٹیریئر ڈیزائنر ہو مُجھسے بہتر سمجھتے ہو گے"

دانیال کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے وہ بولی، شاید کچھ جتانا چاہ رہی تھی۔

"ارے ایڈووکیٹ صاحب"

کِسی نے عاصم کو مخاطب کیا, وہ پلٹا تو سامنے ایک ادھیڑ عمر آدمی کھڑے تھے

"مراد سر آپ ! کیسے ہیں"

عاصم اُنھیں لمحے بھر میں پہچان گیا۔ وہ اُسکے سینیئر تھے، عاصم اور زینب دونوں ہی وکیل تھے

اُن دونوں کے باہمی لوگ لگ بھگ ایک دوسرے کو جانتے تھے۔ زینب کا ابھی انٹرنشپ

سال چل رہا تھا البتہ عاصم نے پچھلے سال اپنی زِندگی کا پہلا کیس لڑا تھا۔ اور جیت بھی گیا

تھا، وہ نیا وکیل تھا اور جس مہارت سے اُسنے اب تک کے تین کیسز جیتے تھے، اُسکے سینئرز اُسسے

متاثر بھی ہو چکے تھے۔

NOVEL HUT

حلیمہ ایکسکیوز کرتی وہاں سے ھٹ گئی، اُسے زینب کی فیملی سے ملنا تھا۔ شادی کی تقریب اب تک اچھی چل رہی تھی۔ وہ سب احد اور اُسکی بیوی، زینب کے گھر والوں، سب سے مل چکے تھے۔ حلیمہ زیادہ تر زینب کے ساتھ ہی تھی۔ وہ بھی اس گھر کا ایک فرد تھی۔ زینب اور حلیمہ بچپن کی سہیلیاں تھی۔ اُنھیں ایک دوسرے کے گھر میں سب جانتے تھے۔ فاروقی صاحب اور دُرّانی صاحب کے آپسی تعلقات بھی کافی اچھے تھے۔ کچھ دیر بعد جب کھانا کھلنے لگا۔ تو لوگ کھانے کی طرف بڑھے۔ کچھ لوگوں کی تقریب تو اب شروع ہوئی تھی۔ شادی اور شادی کا کھانا بس! باقی سب موہ مایا ہے۔

NOVEL HUT

حلیمہ اور زینب ایک میز کے گرد بیٹھی تھی ساتھ کچھ اور ہم عمر لڑکیاں بھی تھی۔ یہ وہ شادی نہیں تھی جہاں مرد اور عورت کا پورشن الگ ہوتا ہے۔ یہاں سب ساتھ ساتھ ٹہل رہے تھے۔

"وہ دیکھو زاہد کو"

ثنا نے باقی لڑکیوں کو مخاطب کیا اور اپنے ایک دوست کی طرف توجو دلائی جو دور کھڑا کسی لڑکی سے حس حس کے بات کر رہا تھا۔ حلیمہ کے ہاتھ میں ایک جوس کا گلاس تھا جسے وہ وقفے وقفے سپ لے رہی تھی۔ اُسکے کہنے پے بھویں اچکا کر زاہد کی طرف دیکھا۔ آنکھیں سیکوڑی۔

یہ تو حیا کا منگیتر ہے نہ، پچھلے مہینے تو منگنی ہوئی ہے شیاد دونوں کی" وہ ماتھے پر شکن لاتے"

ہوئے اُسے جانچتے ہوئے بولی۔ زاہد کی آنکھوں اور مسکراہٹ میں کچھ غلط تھا۔

ہاں وہی ہے، میںنے حیا کو انویٹیشن بھیجا تھا، لیکن اُسکی طبیعت آج ٹھیک نہیں تھی، اس لیے آ"

نہ سکی" زینب نے اپنی زیرک سی بھوری آنکھیں اسپے مرکوز کی

(چار لڑکیاں موجود تھی، اور انکی سٹاکنگ)

"یہ لڑکی کون ہے جو کھڑی ہے اسکے پاس"

"شاید پاپا کے کِسی دوست کی بیٹی ہے، میں نہیں جانتی"

زینب اور حلیمہ اب بھی اُن دونوں کو ہی دیکھ رہی تھی۔

اگر حیا کو پتہ چلے یہ یہاں کیا گل کھلا رہا ہے، تو اس پے کیا گذریگی"ثنا تاسف سے بولی"

میں بتاؤں گی اُسے، ویسے بھی یہ اُسکے قابل نہیں تھا لیکن حیاپیار میں آندھی ہو گئی" سنا کے"

ساتھ بیٹھی ہاجرہ بولی۔ زینب نے گردن پھیر کے اُن دونوں لڑکیوں کو دیکھا اور مسکرائی، گہری

شیطانی مُسکراہٹ۔

"ویسے بھی اگر کوئی لڑکا ہر دوسری لڑکی کے ساتھ حس رہا ہے،

NOVEL HUT

تو be different ، تم اُسے رُلا دو "

ایک مسکراھٹ کے ساتھ کہتی اُسنے جوس کا سپ لیا اور اٹھ گئی۔ حلیمہ اب بھی اُن دونوں کو ہی دیکھ رہی تھی۔ اُسکی آنکھوں میں کچھ تھا، کیا؟ کوئی سمجھ نہیں سکتا تھا۔ وہ اپنے جذبات چھپانے میں ماہر تھی۔

"کیا ہوا ہے تمہیں، بند بھی کر دو سکیننگ"

زینب کی آواز پے وہ مڑی، اور مُسکراتے ہوئے اٹھی۔

"چلو کچھ کھا لیتے ہیں اب مجھے بھوک لگ رہی ہے"

بات ٹالنے کے لیے اُسنے بہانا بنایا اور اسکو لیے آگے بڑھی۔ ذہن اُلجھ سا گیا تھا۔

NOVEL HUT

کوئی شدّت سے یاد آیا تھا۔ وہ اِس وقت اُسکے بہت قریب تھا پھر بھی دور تھا۔ کسنے کہا حلیمہ پتھر ہے؟ اسکا پتھر جیسا دل آج بھی اُن نیلی آنکھوں کا مرید تھا۔ زاہد کو دیکھ کے اُسے صرف ایک بات یاد آرہی تھی۔ بے وفائی۔

اُسنے بھی کِسی کو کھویا تھا یا شاید اُسنے حلیمہ کو کھویا تھا لیکن اُن دونوں کے بیچ لاکھ اختلافات

تھے، شکوے تھے، رنجشیں تھی اگر کچھ نہ تھا تو وہ تھی بےوفائی۔ اُسّے لاکھ ناراضگی صحیح لیکن

حلیمہ جانتی تھی حمزہ بے وفا نہیں ہے۔

وفا سے زیادہ خوبصورت گہنا ایک انسان اپنے محبوب کو نہیں دے سکتا۔

حلیمہ رکی۔ ایک منٹ ! (یہ میں کیا سوچ رہی ہوں) اُسنے خود کو ڈپٹا۔ اف حلیمہ تم بھی نہ۔

وہ کھانے کے کاؤنٹر کے پاس پہنچی اور اپنے لیے کوئی ڈیزرٹ نکال رہی تھی کے اتنے میں اپنے

پیچھے ایک آہٹ محسوس ہوئی۔ حلیمہ کو لگا اسکا دل رک جائیگا۔ وہ سانس روکے کھڑی رہی۔

NOVEL HUT

سات سال ! سات سال بعد بھی وہ اُسکی آہٹ کو پہچانتی تھی۔

وہ مڑنا چاہتی تھی لیکن مڑ نہ سکی۔ مدھم ہوا کے باعث اُسکے سلکی بال اور نیلا آنچل اڑ رہا تھا۔

خود پے قابو پاتے ہوئے وہ پلٹی۔

چہرہ اٹھا کے سامنے کھڑے شخص کو دیکھا۔ وہ قد میں اُسّے خاصہ لمبا تھا۔ سیاہ آنکھیں نیلی

آنکھوں سے ملی اور وہ لمحہ امر ہو گیا۔

حمزہ اپنی آنکھوں میں دنیا جہاں کی اپنایت ، عقیدت ، جذبات، ہے

بسی اور محبت ! لیے اُسے دیکھ رہا تھا۔ کیا نہ تھا اُسکی آنکھوں میں لیکن حلیمہ کی آنکھیں ویران

تھی۔ (یا شاید اُسنے کر لی تھی، کہا نہ وہ جذبات چھپانے میں ماہر تھی)۔

وہ حمزہ جسے سمندر سے عشق تھا، جسنے ہزاروں کتابیں پڑھ رکھی تھی، وہ اُن دو معمولی آنکھوں کو

نہ پڑھ سکا اور اُن میں ڈوب گیا۔ ایک بار پھر سے۔

NOVEL HUT

حمزہ کی نظر اُسکے ہاتھ پے پھسلی، وہ ایک پلیٹ پکڑے کھڑی تھی جس میں چاکلیٹ کیک کا ایک

پیس تھا۔ حمزہ مسکرا دیا۔ اسکا مطلب پسند آج تک نہیں بدلی۔

(واقعی اسکی پسند آج تک نہیں بدلی تھی)

"تمسے بات کرنا چاہتا ہوں، اجازت ہے؟"

کوئی اس کیپٹن سے پوچھتا کتنی ہمت جمع کر کے اُسنے یہ الفاظ ادا کیے تھے۔ حلیمہ نے نظریں

نیچی کی اور کنارے سے نکلنے ہی والی تھی کہ وہ پھر بولا

"!پلیز! ایک بار"

"کہو"

سرد سے لہجے میں جواب آیا

"کیسی ہو"

NOVEL HUT

اُسنے روک تو لیا تھا لیکن اب سب بھول بھال گیا کہ بولنا کیا تھا۔

"جو ہوں جیسی ہوں، تمھارے سامنے ہوں"

"ہم کہیں بیٹھ کے بات کر سکتے ہیں؟"

"معزرت، لیکن شاید آپکی عظیم صحقصیت کو ایک جھوٹے کے ساتھ بیٹھ کر بات کرنا گوارا نہ

ہو"

تلخئ سے کہتی وہ پلٹ گئی۔

"حلیمہ پلیز رکو تو۔۔۔۔"

"نام مت لو میرا اپنی زبان سے"

وہ اُسکی بات کاٹ کے درشتی سے بولتی دو قدم آگے آئی

"اب سننے اور بات کرنے کو کچھ نہیں بچا، آئندہ میرا راستہ مت روکنا"

NOVEL HUT

"تمنے کہا تھا ہمارے راستے ایک ہیں"

حمزہ کے بولنے پر اُسے اپنا برسوں پرانا کہا گیا یہ جملہ لمحے بھر میں یاد آگیا

"ہمم ! کہا تھا، اور واقعی ہمارے راستے ایک تھے، لیکن منزل نہیں"

اسے پہلے وہ کچھ اور کہتا وہ بنا سنے آگے بڑھ گئی۔ حمزہ اُسے جاتا دیکھتا رہا۔ کئی لمحے۔ جب تک

وہ نظر سے اوجھل نہیں ہو گی

"مان جائیگی، ناراض ہے لیکن مان جائیگی"

عقب سے آتی آواز پے وہ چونکا پلٹ کے دیکھا تو سبز لہنگے والی لڑکی ہاتھ میں آئس کریم کا کپ

لیے مزے سے کھاتے ہوئے اُسّے مخاطب تھی

"اور تمہیں یہ بات کیسے پتا، بس اسلیے کی وہ تمہاری بچپن کی سہیلی ہے اور تم اُسکی رگ رگ سے

واقف ہو"

جیبوں میں ہاتھ ڈالے اب وہ مقمّل طور پے اُسکی طرف متوجہ تھا، مسکراتا ہوا اُسے دیکھ رہا

تھا جو سر جھکائے آئس کریم کھانے میں مصروف تھی۔

"نہیں، میں تمہاری رگ رگ سے واقف ہوں"

"اچھا؟"

بھوے اچکا کر پوچھا

(یہ مجھے مُجھسے زیادہ کوئی کیسے جان گیا)

"ہم ! جو شخص اپنی راتوں کی نیند ایک براؤنی کے لیے حرام کر سکتا ہے، جو بندروں کی طرح ہوسٹل کی دیواریں پھلانگ سکتا ہے، جو بازار سے چوڑیاں ۔۔۔۔۔"

بولتے بولتے اُسنے چہرا اٹھا کے اُسے دیکھا اور رک گئی۔ حمزہ نظریں چرائے کھڑا تھا۔ گال بے ساختا سرخ پڑ چکے تھے۔ زینب کے چہرے پے گہری مُسکراہٹ آئی۔ حمزہ ناک پے انگوٹھا پھیرتے ہوئے دوسری جانب دیکھنے لگا

"دیکھو حمزہ تم دونوں کے درمیان جو کچھ تھا، وہ بہت قیمتی جذبہ ہے، ایک لڑائی ایک شقوا ایک غلط فہمی اُس محبت کو ختم نہیں کر سکتی۔"

NOVEL HUT

"ہمارے درمیان کیا ہوا تھا، وہ ہم دونوں کے علاوہ صرف تم جانتی ہو، دانی اور عاصم بھی نہیں جانتے، میں اُنھیں کس منہ سے بتاؤں، اگر میں غلط تھا، میںنے اُسکی بات نہیں سنی، تو کیا وہ صحیح تھی؟ نہیں زینی! وہ بھی صحیح نہیں تھی"

زینب کچھ نہیں بولی اگر حمزہ اُسے عزیز تھا تو حلیمہ کے بنا وہ ادھُوری تھی، وہ ایک دوست کے سامنے دوسرے دوست کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتی تھی۔

دوست تو وہ ہوتا ہے جو آپکی پیٹ پیچھے آپکے خلاف ایک لفظ نہ سنے، محفل میں مذاق کرنے کے بہانے آپکو نیچا نہ دکھائے، دوست تو اُسے کہتے ہیں جو اکیلے میں بھلے سے آپکو ذلیل کرے لیکن آپکا مان، آپکی عزت آپکی غیر موجودگی میں لوگوں کے سامنے سلامت رکھے۔

اور زینب دُرّانی ایسی ہی دوست تھی، کِسی کو محبت ملے نا ملے ایک زینب دُرّانی جیسی دوست آپکی زندگی میں ضرور ہونی چاہیے۔

"تم دونوں کے درمیان کیا تھا، کون صحیح تھا، کون غلط، یہ وقت بتائیگا، اس راز سے بھی پردہ

اٹھ جائیگا، اور وہ بھید جسکے پیچھے ہم کئی سالوں سے پڑے ہیں وہ بھی سامنے آجائیگا"

زینب کی آنکھیں بدل گئی۔ وہاں اب سنجیدگی اور ایک محتاط

سا تاثر تھا۔ حمزہ کے گلے میں گلٹی اُبھری۔

"جس رات میں سری لنکا سے لوٹا ہوں اس رات پھر کوئی آیا تھا"

زینب وہ پہلی شخص تھی جسے اُسنے یہ بات بتائی تھی۔ دانیال عاصم اور حلیمہ بھی جانتے تھے

حمزہ کے پیچھے کوئی تعاقب کار ہے لیکن چند دن پہلے ہونے والے حملے کے بارے میں اُسنے کِسی

سے نہیں بتایا تھا۔

"واٹ ! کہاں؟ کیسے؟"

NOVEL HUT

زینب کے ماتھے پے اب شکن تھی آنکھوں میں پریشانی۔ حمزہ نے ساری داستان ایک ہی بار

میں کہہ سنائی۔

"تو وہ کاغذ کہاں ہے جو تمہیں ملا"

"وہ تو میںنے پھینک دیا"

کندھے اچکا کے سہولیت سے بولا، پاس سے گزرتے ایک ویٹر سے جوس گلاس لیا۔

"واٹ ! ! ! "

وہ تقریباً چیخی تھی۔

NOVEL HUT

"تمہارا دماغ تو ٹھکانے پے ہے؟ کیا کہہ رہے ہو، اتنا ضروری ایویڈینس تم۔۔۔۔۔ تم پھیک

آئے حمزہ، ہم اُسّے کتنا کچھ پتہ لگا سکتے تھے۔ دماغ گھٹنوں میں ہے کیا تمہارا"

اسکا بس نہیں چل رہا تھا وہ حمزہ کا سر پھاڑ دے ،جو آرام سے جوس کے سپ لے رہا تھا

"کچھ نہ ہوتا اُسے، ویسے بھی وہ پرنٹڈ تھا، اگر تم لکھائی یا کِسی کوڈ کی توقع کر رہی ہو، تو اُس میں کچھ نہ ملتا۔"

زینب اُسے دیکھ کے رہ گئی، یہ آدمی کالم اور کمپوزڈ تھا یا حد سے زیادہ بیوقوف۔

حمزہ نے اُسے دیکھا جو اُسے ہی دیکھ رہی تھی

"اچھا نہ ! اگلی بار اگر کوئی چیز اُسنے دی تو لیتا آؤنگا"

اف حمزہ ! !

"میں تمہارا حشر بگاڑ دونگی حمزہ"

NOVEL HUT

"ویسے ایک بات میںنے نوٹس کی ہے ! وہ یہ ہے کے آٹھ سالوں میں اُسنے صرف چار حملے کیے ہیں۔ ہر دو سے ڈھائی سال کے بعد ایک حملا"

"یعنی وہ ایک پیٹرن فالو کرتا ہے"

"Exactly”

"اسکا مطلب کیا ہوا؟"

زینب نے پوچھا

"کیوں وکیل صاحبہ ؟آپ ڈی کوڈ نہیں کر پائی"

وہ مسکراتی نظروں سے اُسے چیلنج کر رہا تھا۔ زینب نے اُلجھ کر اُسے دیکھا، اُسکا ماتھا ٹھنکا۔

حمزہ اُسکے سر پے ہلکی سی چپت مارتے ہوئے وہاں سے چلا گیا۔ زینب اُسے جاتا ہوا دیکھ رہی

تھی، ذہن اُلجھ کے رہ گیا تھا، یہ کیسی پہیلی تھی جو وہ اُسے تھما کے چلا گیا۔

NOVEL HUT

“”“”“”“”“”“”“”“”“”“”

ان پانچو کو یہیں چھوڑ کے ہم اگر ہندوستان کے پڑ ھچم کی طرف بڑھے تو وہ شہر جسے خوابوں کی

نگری کہا جاتا ہے(ممبئ)

اس وقت رات کی چکا چوند میں روشن تھا لیکن اُسی شہر میں واقع وہ سیاہ سفید مکان شاید اپنے

اندر کئی اندھیرے چھپانے کھڑا تھا۔

بالائی منزل پے موجود ایک کمرے میں وہ سیاہ آنکھوں والی لڑکی فرش پے بیٹھی تھی، کمر بیڈ سے

ٹکائے تھی۔ آنکھیں ویران اور سرخ تھی، سوجی بھی تھی، شاید وہ کافی دیر سے رو رہی تھی۔

کمرے کا دروازہ بند تھا لیکن باہر سے آتے شور کو روکنے میں ناکام تھا، اُسنے اپنے ہاتھ کانوں پے

سختی سے جمع لیے۔

"یا اللہ۔۔۔"

NOVEL HUT

وہ پھر رو پڑی

"!پلیز۔۔۔۔پلیز اسکو بند کر دیں۔۔"

اُسنے گھٹنے سمیٹ کے سینے سے لگا لیے۔ وہ ان آوازوں کی عادی ہو چکی تھی، اب جب یہ آوازیں اُسکے کانوں میں پڑتی تو اُسے حیرانی نہیں ہوتی بلکہ اب یہ آوازیں اُسے حونٹ کرتی تھی۔ اب یہ آواز حمیرا صدیقی کے لیے ایک ٹراما بن چکی تھی۔

حمیرا کو یہیں چھوڑ کے اگر ہم اس سرمئی صوفے والے لاؤنج کا رخ کرے تو ایک صوفے پے زکیہ بیگم آنسو سے تر چہرا لیے بیٹھی تھی۔ اور نفیس صدیقی (حمزہ کے والد) غصے سے آگ بگولہ چہرہ لیے اُن پے برس رہے تھے، انکو، انکے خاندان کو، انکے ماں باپ کو گالیاں دے رہے تھے، آنکھیں سرخ ہو رہی تھی۔ غصے کی وجہ یہ تھی کہ آج زکیہ بیگم کے میکے میں سب کی دعوت تھی، جہاں سے وہ تینوں ابھی لوٹے تھے، گھر کے ایک لوتے داماد ہونے کی حیثیت سے اُنھیں اچھا پروٹوکول دیا جاتا تھا۔ زکیہ بیگم ایک اچھے فیملی بیک گراؤنڈ سے تعلق رکھتی تھی۔ انکے بھائی نے آج ڈھکے چھپے الفاظ میں حمیرا کا رشتا اپنے بیٹے کے لیے مانگا تھا، زکیہ بیگم کو سانپ سونگھ

گیا تھا وہ جانتی تھی نفیس صاحب کے جیتے جی ایسا تو کبھی نہیں ہو پائیگا۔ اور گھر لوٹ کے یہی

ہوا۔ دراصل مسئلہ حمیرا کی شادی نہیں تھا، شاید مسئلہ اُس آدمی میں تھا۔

اپنی تیس سالہ شادی شدہ زندگی میں زکیہ بیگم نے شاید تیس دن بھی محبت اور خلوص کے نہیں

گزارے تھے۔

"بھای جان نے صرف ایک بات کی تھی، آپ بھی جانتے ہیں آپکی مرضی کے بغیر کچھ نہیں

ہوگا"

وہ رونے کے درمیان ہچکی لیتے ہوئی بولی۔

NOVEL HUT

"تمھارے بھای کی ہمت بھی کیسے ہوئی یہ بات کرنے کی"

وہ پھر سے دہاڑے تھے۔

"تمہیں، تمہارے خاندان کو جھیل رہا ہوں، تمہیں کیا لگتا ہے اپنی بیٹی کو وہاں بھیج دونگا"

"جب آپکو مُجھسے اتنا ہی مسئلہ تھا تو کیوں اپنی اور میری زِندگی برباد کی تھی، اتنے سال ہو گئے لیکن۔۔۔۔۔"

آگے کی بات انکے منہ میں ہی رہ گئی نفیس کا ہاتھ انکے چہرے پے پڑا تھا۔

"میرے سامنے منہ کھولنے کی ہمت بھی کیسے ہوئی"

وہ انکے سر پے کھڑے برس رہے تھے۔ زکیہ بیگم وہاں سے جانے کے ارادے سے اٹھی اور اپنے کمرے کی طرف بڑھنے لگی تھی کے وہ پھر چلائے

"میری بات کو نظر انداز کر کے جا رہی ہو، اتنی مجال۔۔"

وہ پھر انکی طرف بڑھے، ہاتھ اٹھایا ہی تھا لیکن ہاتھ ہوا میں متقل رہ گیا۔ کِسی نے انکا ہاتھ بازو سے پکڑ رکھا تھا۔ وہ مڑے اور پھر انکا سانس رک گیا۔

وہ پیچھے کھڑا آنکھوں میں طیش لیے اُنھیں گھور رہا تھا۔ دونوں کا قد ایک جتنا تھا۔ آنکھیں بلکل ایک جیسی گہری سیاہ، چہرے کے نقوش بھی مختلف نہ تھے۔ وہی ناک وہی رنگت وہی چہرہ۔ وہ انہی کا عکس تھا۔

حماد صدیقی، انکا بڑا بیٹا، حمزہ کا بڑا بھائی۔

بال ماتھے پے بکھرے تھے، چہرے پے فریم لیس چشمہ لگا تھا، آنکھوں میں خون سا اُترا تھا۔

"نہیں پاپا"

آواز تھی تھی سور۔ نفیس نرم پڑ گئے۔ وہ جوان بیٹے کے سامنے اُسکی ماں کو کچھ نہیں کہہ سکتے تھے۔ اگر حمزہ یہاں ہوتا تو بھی حالات یہی ہوتے جو حماد کی موجودگی میں تھے۔ لیکن حماد گھر کا بڑا تھا۔

اُسنے انکا ہاتھ چھوڑ دیا۔ اور آگے بڑھ کے اپنی ماں کو شانے سے تھام کے خود سے لگایا۔

"مریم، امی کو کمرے میں لے جاؤ"

وہ اپنی بیوی سے بولا جو ابھی بھی لاؤنج کے دروازے کے پاس حیران سی کھڑی تھی۔ اُسکے کہنے پے آگے آئی

"نہیں بیٹے میں چلی جاؤنگی، آپ لوگ جاؤ آرام کرو، تھک گئے ہوگے"

وہ اُسّے الگ ہوتے ہوئے اُسکے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔ اُن کے بچے بڑے ہو گئے تھے، انکے پاس اب دو دو بازو تھے۔ بیٹوں کو نعمت کہا گیا ہے اسلیے نہیں کے وہ بیٹیوں سے افضل ہوتے ہے بلکہ اسلیے کے اُنھیں اپنے گھر کا مضبوط ستوں بننا ہوتا ہے۔

حماد اور مریم کچھ دن پہلے منالی گھومنے گئے تھے جہاں سے وہ آج لوٹ کے آئے تھے۔ حماد کی شادی کو ابھی پانچ مہینے گزرے تھے اور مریم، نفیس صاحب کا اصل روپ دیکھ چکی تھی۔ اسکا شوہر حماد! حماد کا صرف چہرا اُنسے ملتا تھا مزاج نہیں۔

وہ اپنی ماں اور بیوی کو لیے لاؤنج سے نکلا نفیس صاحب پے بنا کوئی دوسری نگاہ ڈالے۔ پیچھے

نفیس صاحب صوفے پے گر سے گئے۔

پہلے اُسنے زکیہ بیگم کو انکے روم میں چھوڑا جو کہ نیچے ہی تھا

پھر مریم کو لیے اوپر آیا، راہداری کے اختتام پے انکا کمرہ تھا، ابھی وہ آگے بڑھتے کے ایک

کمرے کا دروازہ کھلا اور حمیرا باہر نکلی۔ بنا کچھ بولے بھاگتی ہوئی آگے آئی اور حماد سے لگ کے

رونے لگی۔ وہ پریشان ہو گیا۔

"بیٹے۔۔۔ کچھ۔۔۔ کچھ نہیں ہوتا، حمیرا میرے بچے، کچھ نہیں ہوا سب ٹھیک ہے" وہ اُسے

لگی سسک رہی تھی

اُسنے مریم کو دیکھا جو پریشان سی حمیرا کے سر پے ہاتھ پھیر رہی تھی

"حمیرا میری جان اِدھر آؤ"

مریم نے حماد کو دیکھا اور پلکیں جھپکا کر اُسے تسلّی دی پھر حمیرا کو لیے کمرے میں چلی گئی۔

""""""""""""""

ولیمے کی تقریب جس وقت ختم ہوئی لان میں اکا دکّا لوگ ہی بچے تھے۔ حلیمہ اپنی فیملی کے

ساتھ کھڑی دُرّانی صاحب اور انکی بیوی سے اجازت لے رہی تھی۔

چند سیکنڈ قبل ہی وہ تینوں بھی مل کے لان سے باہر نکل چکے تھے

اگر وہ چاہتے تو اپنی الگ الگ گاڑی اور الگ الگ رہائیش گاہ کا بندو بست کر سکتے تھے۔ لیکن وہ

تینوں ساتھ ایک ہی گاڑی سے آئے تھے۔ حمزہ ڈرائیو کر رہا تھا۔ دانیال پسنجر سیٹ پے بیٹھا

تھا اور عاصم پیچھے نیم دراز تھا۔

"یار میںنے سنا ہے گومتی نگر چوراہے پے آج کل ایونٹس چل رہے ہیں"

وہ پیچھے بیٹھا ہلکی آواز میں بولا۔ آنکھوں میں نیند تھی

"تمہیں کیسے پتہ"

دانیال نے گردن موڈ کے اُسّے پوچھا

"اسے کیا نہیں پتہ ہوتا"

حمزہ نے ہستے ہوئے جواب دیا

"پھر؟ چلیں کیا؟"

دانیال کے چہرے پے بھی گڈھا اُبھرا

"ہاں تو اور کس لیے بتایا ہے، اب آئیں ہی لکھنؤ تو یہ بھی دیکھ لیتے ہیں"

NOVEL HUT

"باقی ساری انفارمیشن ہے تمھارے پاس؟"

"آدھی باتیں نہیں لاتا میں، ہنہ"

وہ آنکھیں بند کئے بڑبڑا رہا تھا

"ٹھیک ہے پھر کل شام کو۔۔"

حمزہ بھی پر جوش سا بولا

" اگر موقع ملہ تو حصہ بھی لینگے"

دانیال کا تو چہرا ہی کھل اٹھا تھا

"وہ کوئی انعامی تقریب نہیں ہے، بس ایسے ہی جوان لڑکوں کا ہجوم ہے" عاصم نے بتایا

"تو کیا ہوا وہ بھی کر لینگے، کیوں حمزہ"

حمزہ نے اُسے دیکھا جو صرف اس بات پے ہی کھل اٹھا تھا۔ دانیال کو گاڑیاں ہمیشہ سے پسند تھی۔ عاصم جہاں اپنی بائکس سے محبت کرتا تھا۔ وہیں دانی کو کار ریسنگ میں مہارت حاصل تھی۔ اور حمزہ ! ! حمزہ جس مرکب کو چلا سکتا تھا، قابو کر سکتا تھا وہ سب کے بس کی بات نہیں۔ وہ بحری جہاز جیسے دیکھ کئی لوگوں کو سانپ سونگھ جائے وہ اُسکی وہیل قابو کرتا تھا۔

NOVEL HUT

"ٹھیک ہے چل لینگے تم تو ایسے اچھل رہے ہو جیسے شادی کرنے جا رہے ہو"

"کر ہی نہ لے یہ شادی" (عاصم تم چپ رہا کرو)

دانیال کچھ نہیں بولا بس کھڑکی کے باہر دیکھنے لگا۔

"()"()"()"()"()"()"()"

وہ سب سے مل کر زینب کے ساتھ باہر آ رہی تھی۔ ہلکی سرگوشیوں میں دونوں کوئی بات کر رہی تھی، سبز لہنگے والی لڑکی کے چہرے پے اب سنجیدگی تھی وہ تحمیل سے اپنی بات بتا رہی تھی، نیلی ساری والی لڑکی کی آنکھیں تفتیش سے سکڑی تھی۔

"ہمم ٹھیک ہے، کچھ کرینگے" حلیمہ اسکو دیکھتے ہوئی بولی۔

"اب تو الگ ہو جاؤ بہنوں، چلیں آپکو چلنا نہیں ہے؟ یہیں رک جائیں لان بند کرا کے آئیے گا"

احمر حلیمہ کے پاس آتا ہوا بیچارگی سے بولا۔ وہ اسکا چھوٹا بھائی تھا، لگ بھگ انیس بیس سال کا خوش شکل نوجوان، گوری رنگت دراز قد اور چہرہ بلکل حلیمہ جیسا۔ حلیمہ سے چھوٹا تھا لیکن اب حلیمہ کو اُسے گردن اٹھا کے دیکھنا پڑتا تھا۔

(ایک تو یہ چھوٹے بھائ اچانک سے بڑے کیوں ہو جاتے ہیں)

وہ زینب سے مل کے احمر کے ساتھ وہاں سے نکل آئی۔ اب وہ اپنے گھر فاروقی منزل کی طرف رواں دواں تھے۔

"""""""""""""""""""

(یہ اُس رات کا ذکر ہے جب اس شادی پے آنے سے پہلے حمزہ پے ممبئ پورٹ پے حملا ہوا تھا)

رات کا ایک بج رہا تھا۔ سرمئی دیواروں والی وہ راہداری بلکل سنسان تھی۔ موت جیسی سنسان۔ اُن سرمئی دیواروں کے اختیمام پے ایک لکڑی دروازہ تھا۔ اُسنے وہ دروازا کھولا سامنے ہی زینے تھے۔ غالباً وہ تے خانہ تھا جو بیس مینٹ میں بنا تھا۔ زینے اتر کے وہ شخص نیچے آیا۔ ہاتھ بڑھا کے سوئچ آن کیا۔ ایک بتی جل گئی۔

کمرا زیادہ بڑا نہ تھا سامنے ایک میز تھی جس پے کمپوٹر، کتابیں، کاغذات اور پتہ نہیں کیا کیا رکھا تھا۔ دیوار پے جا بجا لکیریں کھینچی گئی تھی۔ ایک دیوار پے ایک بڑا سا سفید بورڈ لگا تھا۔ وہ قدم قدم چلتا اُس بورڈ تک آیا۔ بورڈ کے بیچوں بیچ کچھ تصویریں لگی تھی جس میں سے ایک تصویر اُس نیلی آنکھوں والے کیپٹن کی تھی۔ اُس نے وہ تصویر اُتاری اور اُسے لے کر میز تک آیا۔

سرخ آنکھیں لیے وہ اُسے گھور رہا تھا۔

سر پے جنون سوار تھا۔

"آج۔۔۔۔ آج پھر تم بچ گئے۔۔۔۔ سمجھ نہیں آتا تم خوش قسمت ہو یا میرا نصیب خراب ہے۔۔ ایک شخص پے اوپر والا اتنا مہرباں کیسے ہو سکتا ہے"

نفرت آمیز لہجے میں بولتا اُسنے وہ تصویر مروڑ کے دور پھینک دی۔

دونوں ہاتھ میز پے رکھ کے وہ جھکا، کنپٹی کی نسیں اُبھری ہوئی تھی۔ آنکھوں میں خون اُترا ہوا تھا۔ سر پے جنون سوار تھا۔

"اب نہیں کیپٹین حمزہ۔۔۔۔ اب نہیں۔۔۔۔ میرا اگلا وار۔۔۔ میرے اگلے وار سے تمہیں کوئی نہیں بچا سکتا۔۔۔ کوئی بھی نہیں۔۔۔ میرا اگلا وار اتنا کاری ہوگا کے تم خود موت مانگو گے۔۔۔"

NOVEL HUT

دیواروں نے دم سادھ لیا۔ ہوا ساکن ہوئی۔ میز پے رکھے کاغذات پھڑ پھڑائے جیسے اپنی طرف متوجہ دلانا چاہ رہے ہو۔ اُسنے اُن کاغذات کو دیکھا انہی میں ایک وہ کاغذ بھی تھا۔

سفید منجلا گنجلا سا پرنٹ شدہ کاغذ جس پے چند حروف لکھے تھے وہ بھی مٹے مٹے سے۔ وہ اس کاغذ کو دیکھے گیا۔ آنکھوں میں چند لمحے قبل والی سرخی زائل ہوئی تھی وہاں کچھ جانچتا اور بیچیں سا تاثر اُبھرا تھا۔ یہ کون سا کھیل تھا قدرت کا کے ایک تعاقب کار کسی کاغذ کو بے چین نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

""""""""""""""""""""""

زینب کی فیملی بھی اب گھر پہنچ چکی تھی۔

وہ اس وقت اپنے کمرے موجود تھی ۔ ہلکے جامنی رنگ کی دیواریں اور ایک دیوار پے لگی ڈوبتے سورج کی تصویریں۔

وہ بیڈ پے بیٹھی تھی سامنے لیپ ٹاپ اور چند کاغذات کھلے رکھے تھے۔ ہلکا گلابی سادہ سا نائٹ

سوٹ پہنے، سیاہ لمبے بال جوڑے میں مقید تھے، چہرا کسی بھی میک آپ سے پاک تھا اور وہ

پھر بھی بے انتہا خوبصورت لگ رہی تھی۔

گہری کتھئی آنکھیں لیپ ٹاپ پے ایک منظر دیکھ رہی تھی۔ جہاں کچھ سلائیڈز بار بار چل رہی

تھی۔

"حمزہ نے کہا تھا اُس پے ہر دو سال پے حملا ہوتا ہے، پہلا حملا تب ہوا تھا جب ہم سب

ساتھ تھے۔ اور یہ تیسرا تھا یعنی جو حملا بیچ میں ہوا۔۔۔۔۔"

NOVEL HUT

ابھی وہ آگے سوچتی کے دروازے پے دستک ہوئی

"جی آجائیں"

"وہ زینب باجی آپنے یہ منگوایا تھا"

.اُسکی ملازمنہ تھی جو ہاتھ میں ایک البم لیے کھڑی تھی

"ارے ہاں لاؤ شکریہ"

وہ دے کر چلی گئی تو زینب پھر سے سکرین کے جانب متوجہ ہوئی۔ کوئی کڑی کہیں سے مل کے ہی نہیں دے رہی تھی۔ اُسنے گہری سانس لی اور سب سمیٹنے لگی۔

کوئی کڑی زینب دُرّانی ملا نا پائے؟ اتنے برے دن نہیں آئے تھے ابھی۔ اُسے پتا تھا اُسے کیا کرنا۔ اپنے دوستوں کے لیے وہ آخری حد تک جاتی تھی اور جائیگی۔

ابھی تو خیر دن بھر کی تھکن تھی اور اُسے سونا تھا۔

NOVEL HUT

""""""""""""""""""""""""

یہاں سے کچھ ہی دوری پے ایک ہوٹل میں واقع اُس روم میں وہ تینوں گم سم سے بیٹھے تھے۔

زینب اور اُسکی فیملی نے اُن تینوں کو بہت کہا تھا کی وہ انکے گھر میں رکے لیکن اُنہونے

مناسب نا سمجھا۔

حمزہ اُس رات ہوئے حملے کے بارے میں اُن دونوں کو بتا رہا تھا۔

اور وہ دونوں شل سے بیٹھے تھے۔

"تو تم یہ کہہ رہے ہو اس رات تمہیں یہ لگا کی تمنے اُس آدمی کو کہیں دیکھ رکھا ہے۔"

دانیال صوفے پے اُسکے سامنے بیٹھا تھا اُسکی بات سن نے کے

NOVEL HUT

بادبولا

"میںنے دیکھا یا نہیں کا نہیں پتا۔ بس مجھے ایک وجدان سا ہوا۔۔"

"اور تم یہ بات ہمیں آج بتا رہے ہو"

عاصم اب سنجیدہ تھا

"یہ میٹر نہیں کرتا۔۔ اصل بات یہ ہے کی اُس آدمی نے اسے کچھ دیا تھا۔۔ جو یہ گدھا پھینک

آیا ہے"

دانیال کا دل کر رہا تھا وہ حمزہ کو الٹا لٹکا دے

"ارے میں کہہ رہا ہوں اُس پرچی میں کچھ نہیں تھا، صرف ایک

وارننگ کی میں مرنے والا ہوں بس ،وہ بھی پرنٹڈ، کیا نکال لیتے

اُسے تم لوگ"

NOVEL HUT

"وہ جو کوئی بھی ہے، یہ بات اچھے سے جانتا ہے کے ہم سب اس میں

اُلجھے ہوئے ہے، وہ جانتا ہے کے تم یہ سب اپنے دوستوں کو ضرور

بتاؤ گے، اُسے تمہاری ہر ایک بات کی انفارمیشن ہے"

عاصم کچھ سوچتے ہوئے بولا، دانیال بھی گہری سوچ میں ڈوبا اُسکی بات پے گردن اثبات میں ہلائی۔

"مجھے کوئی اپنی بساط کا مہرا بنائے، یہ میں ہونے نہیں دونگا، اور میرے دوستوں کی طرف کوئی غلط نظر بھی ڈالے گا تو میں خود ایک نئی بساط بچھا دونگا"

دانیال سرد لہجے میں اتنا کہہ کر اٹھا اور حمزہ کو دیکھا، وہ بھی اُسے ہی دیکھ رہا تھا۔ بھوری آنکھوں نے ایک تسلّی دلائی۔ حمزہ مطمئن ہو گیا۔

"چلو اچھا سو جاؤ کل وہاں بھی جانا ہے"

جہاں وہ رکے اُس فلیٹ میں دو کمرے تھے۔ دانیال اپن موبائل اٹھاتے ہوئے باہر نکل رہا تھا کہ رک گیا۔

"میں اُدھر سو رہا ہوں ٹھیک ہے نہ"

اسے پہلے حمزہ ہاں بولتا عاصم آگے آیا دروازے تک۔

"نہیں ! بلکل ٹھیک نہیں ہے۔ میں جا رہا ہوں اُدھر، آخر میری

عزت کا سوال ہے "

(میں کیوں بیڈ شیئر کروں پھیل کے سونگا ہنہ)

"تم دونوں میں بھائی چارہ زیادہ ہے تم دونوں یہاں سو ،مجھے

میری آٹھ گھنٹے کی بیوٹی سلیپ چاہیئے" اتنا کہہ کر باہر نکل گیا، پیچھے حمزہ اور دانیال نے عجیب

نظروں سے پہلے اُسے جاتا دیکھا پھر ایک دوسرے کی شکل دیکھی اور گہری سانس لی جیسے کہہ

رہے ہو ،اسکا کچھ نہیں ہو سکتا۔

NOVEL HUT

()()()()()()()()()

نومبر ۱۳

شام چھ بجے

اس کمرے میں اس وقت زیادہ روشنی نہیں تھی، کھڑکی سے ڈوبتے سورج کی روشنی آرہی

تھی۔

ایک کونے میں رکھا لیمپ روشن تھا۔

لیمپ کی مدّھم روشنی خدا کے کلام پاک پے پڑ رہی تھی۔ صفحات پے شہادت کی انگلی رکھی

تھی۔

"شروع اُسکے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے"

NOVEL HUT

اب اس کمرے سے مدّھم تلاوت کی آواز آرہی تھی۔۔

“”“”“”“”“”“”“”“”

(باقی ان شا اللہ آئندہ ماہ)

CONTACT AUTHOR

If you want to contact the author we'll mention her instagram here ,

you can dm her there .

Novel-hut at your service .

JAZAKALLAH

Writer's id : saba_writes._

NOVEL HUT